وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مذیل الاوہام الواردۃ فی عقیدۃ امۃ خیر الانام
المعروف بہ

راہِ حق

تصنیف:

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ
استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

مذیل الاوھام الواردۃ فی عقیدۃ امۃ خیر الانام

المعروف بہ

راہِ حق

مصنف

مولانا مجیب الرحمٰن صاحب
استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

مکتبہ امدادیہ
ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا مجیب الرحمن

جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے استاذ مولانا مجیب الرحمن نے "مذیل الاوھام الواردۃ فی عقیدۃ امۃ خیر الانام یعنی راہ حق" نامی ایک کتاب ۲۰۰۷ء میں مکتبہ امدادیہ ٹی، بی ہسپتال روڈ ملتان سے شائع کی۔

اس کتاب کے ص ۱ سے ص ۹۰ تک کے صفحات عثمانی گروہ کراچی کے راہنما جناب منور صاحب کے نظریات کے رد میں تھے۔ اصولاً تو یہ اس مجموعہ میں شامل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہمارے جماعتی رفیق سفر اور دوست مولانا محمد اسلم معاویہ صاحب نے دوستی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو شامل کرادیا۔ کمپوزنگ کی بجائے کتاب کا موبائل سے عکس لیا اور گوگل سے ترجمہ کر کے فائل سیٹ کی اور ہمیں پیش کر دیا۔ حالانکہ اس عمل سے اتنی غلطیاں جمع ہو جاتی ہیں جیسے گڑ کی چاشنی پر آوارہ مکھیاں۔ پتہ نہیں کس طرح ہم نے اس کی پروف ریڈنگ کی۔ البتہ ایک ایک غلطی پر مولانا اسلم معاویہ یاد آئے اور خوب یاد آئے۔ انہوں نے ڈیرے وال کی روایت پوری کی مگر ہمارا کباڑا کر دیا۔ چلو جانے دیتے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی ھدانا الی طریق الحق و الصواب و الصلاۃ و السلام علی من اوتی الحکمۃ و فصل الخطاب و علی الہ و الاصحاب و علی من تبعھم باحسان الی یوم الحساب۔ اما بعد:

ہمارا دور فتنوں کا دور ہے۔ نت نئے فتنے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ایک فتنہ نہیں مٹنے پاتا کہ دوسرا سینہ تان کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس دور میں ہر شخص اپنی ایک ذاتی رائے سوچ کر سب لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا اور اپنی شخصیت سے مستقل فتنہ بنتا ہے، ایسے بہت سے لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو ایجنسیوں اور یہود و نصاریٰ کے آلہ کار ہو کر امت میں تفرقہ بازی اور انتشار اور دین سے بیزاری کا ذریعہ بنتے ہیں، اور بہت سے وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جن کی غرض معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ لیکن اس کوشش میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر نئے فرقہ کے اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

آج بہت سے لوگ قرآنی علوم پڑھے بغیر قرآن مجید کے سمجھنے میں مہارت کے دعویدار ہیں اور لوگوں کو بھی اپنی راہ پر لانے میں کوشاں ہیں۔ وہ قرآن مجید سمجھنے میں استاذ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اکیلا نہیں بھیجا بلکہ معلم کتاب حضور نبی ﷺ کو ساتھ بھیجا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عربی تھے۔ جب معلم بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ عربی زبان رکھنے والے بھی بغیر استاذ کے قرآن مجید جیسی عربی کتاب نہیں سمجھ سکتے تو یہاں کا عجمی شخص جو قرآن مجید کے ترجمہ کو ترجمہ والے قرآن سے اور لغات سے معلوم کرنا اور سمجھنا چاہتا ہے بغیر استاذ کیسے سمجھ سکتا ہے؟ چند اردو کتابیں پڑھ کر نہ صرف عالم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مجتہد بن جاتے ہیں اور علماء پر تنقید شروع کر دی جاتی ہے۔

عجب یہ دور ہے اور عجب اس کی روانی ہے   کہ معمولی کلرکوں نے نبی بننے کی ٹھانی ہے

اللہ کی قسم اپنی سمجھ پر اعتماد کر کے اکابر اسلاف سے جدا ہو کر نئی راہ لینا ہی گمراہی کا ذریعہ ہے۔ صراط مستقیم راہ ہدایت ہے اور صراط مستقیم پرانے راہ کو کہتے ہیں نئی راہ صراط مستقیم نہیں ہو سکتی۔ یہ درست ہے کہ قرآن مجید کی ہدایات کے مطابق عقیدہ اور عمل صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ لیکن قرآن مجید ہی کی تعلیم ہے کہ میری ہدایات پر اس طرح چلو جیسے رجال اللہ چلے ہیں۔ صراط الذین انعمت علیھم یعنی قرآن مجید کا صراط مستقیم رجال اللہ کے عمل اور عقیدے سے معلوم ہوگا اپنی راہ سے معنی و مفہوم بنا لینے سے آدمی ہرگز قرآن مجید پر عمل پیرا نہ ہوگا۔

بہر حال صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ڈاکٹر مسعود عثمانی بھی ہوا ہے اس کے نظریات کے حامی اور مبلغ منور سلطان کراچوی نے ایک کتاب لکھی "اسلام یا مسلک پرستی" نام سے ظاہر کیا کہ میرے نظریات اصل اسلام ہیں اور جو اسلام لوگوں میں نظر آ رہا ہے وہ مسلک پرستی ہے اسلام نہیں بلکہ کفر و شرک ہے۔ لکھتا ہے:

"ان لوگوں نے دین کے نام پر اس قدر کفر و شرک لکھا ہے کہ اس کا احاطہ کرنے کے لئے اک عمر درکار ہے اور جس پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔" (اسلام ۱۵)

"ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے کس کس کفر و شرک کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔" (اسلام ۱۶۱)

"یہ بات قابل غور ہے کہ صحیح حدیث سے کتنی چڑ ہے ان مسلک پرستوں کو۔" (اسلام ۱۹۰)

"جب ان (اولیاء صوفیاء) کی کتابوں اور ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک دوسری ہی صورت سامنے آتی ہے جو اتنی بھیانک اور مکروہ ہوتی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کو اولیاء اللہ تو درکنار مسلمان بھی نہیں کہا جاسکتا۔" (اسلام ۲۰۶)

منور صاحب کہیں معتزلی ہیں تو کہیں منکر حدیث کہیں غیر مقلد ہیں۔ اس کتاب سے بہت سے لوگ پھسل رہے ہیں۔ بالخصوص اشاعت التوحید نامی جماعت سے تعلق رکھنے والے کیونکہ وہ پہلے بھی توحید کے ہیضے میں مبتلا ہیں اور مسعودیوں کو تو ان سے زیادہ ہیضہ ہے تو وہ باآسانی ان کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

بہت پہلے ہمارے محترم دوست حضرت قاری الٰہی بخش رحمہ اللہ (آف درابن کلاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں) نے ان پر لکھنے کا فرمایا تھا مگر میں نہ لکھ سکا پھر ہمارے محترم مہربان مولانا محمد طارق شاہ صاحب جدون (آف پشاور ساکن کراچی) اس تحریر کے محرک ہوئے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء!

اس تحریر میں مذکور کتاب میں درج شبہات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی اور ان شاء اللہ یہ تحریر ڈاکٹر عثمانی اور فرقہ اشاعۃ التوحید وغیرہ کے شبہات کے حل میں کافی وافی ہوگی۔ میں بہت ہی مشکور ہوں ان حضرات کا جنہوں نے میری اس ساری تحریر کو پڑھ کر تصحیح فرمائی اور اپنی گرانقدر تصدیقات ثبت فرمائیں۔

جزاهم الله احسن الجزاء فی الدارین!

خصوصاً حضرت اقدس مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ (آف کلاچی) تو بہت شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے قدم قدم پر رہنمائی فرمائی اور بہت بہترین مشوروں سے نوازا آپ حضرت اقدس علامہ بنوری قدس سرہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور اکوڑہ خٹک سے فاضل ہیں۔

ان کے علاوہ باقی احباب کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ جس قسم کا بھی تعاون فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خزانہ خاص سے ان تمام حضرات کو بہت بہت جزائے خیر نصیب فرمادیں۔ آمین!

اے پروردگار عالم! اس تحریر کو محض اپنے لطف وکرم سے اپنے دربار عالی میں قبول فرما کر مفید خاص وعام بنا اور ذریعہ ہدایت بنا اور میرے لئے میرے والدین واساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت اور سبب نجات بنادے۔

امین بجاه النبی الکریم علیه التحیة والتسلیم وبرحمتک یاارحم الراحمین۔

مسئلہ توسل

منور صاحب لکھتے ہیں: "مسلک پرستوں کے نزدیک دعاؤں میں وسیلہ، واسطہ دینا جائز ہے چنانچہ لکھتے ہیں دعاؤں میں انبیاء علیہم السلام اور صلحاء واولیاء اور صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد بھی حیات تک توسل کا معاملہ اس حد تک درست تھا کہ ان سے دعا کرائی جاتی لیکن مرنے کے بعد ان کا وسیلہ پکڑنا کھلا شرک ہے۔" (اسلام یا مسلک پرستی ص ۱۹)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منور صاحب توسل بالذات یعنی کسی کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کے منکر ہیں چاہے زندہ ہو یا مردہ اس بارے میں مختصر تفصیل یوں ہے کہ توسل بالذات کی تقریباً تین صورتیں ہیں۔

توسل بالذات کی تین صورتیں

ایک یہ ہے کہ کسی نیک شخصیت کی زندگی میں ان سے دعا کرائے بغیر ان کی ذات کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی جائے اس قسم کا توسل نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے اور فرمان سے بھی۔ چنانچہ:

۱...... حضرت امیہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگتے تھے۔ کان رسول اللہ ﷺ یستفتح بصعالیک المھاجرین۔ (مشکوۃ ص ۴۴۷)

۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مانگی۔ اغفر لامی فاطمة بنت اسد و وسع علیھا مدخلھا بحق نبیک و الانبیاء الذین قبلی۔ اے اللہ میری والدہ فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اپنے نبی حضور ﷺ اور مجھ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے اس کی قبر وسیع کر دے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۴۳، در الصحابۃ فی مناقب القرابۃ والصحابہ ص ۵۳۹ بحوالہ معجم طبرانی کبیر و اوسط و مستدرک حاکم وغیرہ)

علامہ نور الدین سمہودی فرماتے ہیں: "یہ روایت جید یعنی عمدہ سند سے مروی ہے۔" (خلاصۃ الوفا ص ۵۲)

قاضی شوکانی فرماتے ہیں: "اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔" (در الصحابہ ص ۵۳۹)

اس حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی ذات کا وسیلہ پیش کیا اور گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کا وسیلہ پیش کیا تو ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ توسل آپ ﷺ کا عمل ہے۔

۳...... حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا حاضر خدمت ہوا آپ ﷺ سے بینائی کے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کو تعلیم دی کہ وضو کر کے دو رکعات نماز پڑھ کر یہ دعا مانگ۔ اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمة۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی حضرت محمد نبی رحمت ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت پوری کی جائے تو اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس کو بینائی عطاء فرمائی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷، مسند احمد ج ۱ ص ۹۹، ج ۴ ص ۱۳۸، ابن ماجہ ص ۹۹ معجم طبرانی صغیر ص ۱۸۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام طبرانی فرماتے ہیں صحیح حدیث ہے، ابن ماجہ میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام حاکم فرماتے ہیں بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

ڈاکٹر مسعود عثمانی کہتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو جعفر مدنی راوی ہے جو حدیثیں گھڑنے والا ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ ابو جعفر دو راوی ہیں ایک ابو جعفر عبد اللہ بن مسور مدائنی ہے اور اس پر جرح ہوئی ہے لیکن یہ اس حدیث کا راوی نہیں ہے دوسرا ابو جعفر عمیر بن یزید انصاری مدنی الخطمی ہے جو ثقہ اور سچا راوی ہے (تقریب التھذیب ج ۱ ص ۷۵۶) اور یہی اس روایت کا راوی ہے۔

۴...... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے ایک دعا سکھلائی: اللھم انی اسالك بمحمد نبیک و بابراھیم خلیلک و بموسی نجیک و عیسی روحک و کلمتك الخ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۴۰۸) اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد اور تیرے خلیل حضرت ابراہیم اور تیرے نبی موسی اور تیرے روح اور کلمہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے مانگتا ہوں۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ توسل کی آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی ہے تو پہلی حدیث کے مطابق آپ ﷺ فقراء مہاجرین کی زندگی میں ان کی ذات کا وسیلہ پیش فرماتے تھے اور باقی احادیث کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنی ذات کا وسیلہ پیش کرنے کی تعلیم دی تو ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کی زندگی میں بھی ان کی ذات کا وسیلہ پکڑنا درست ہے۔

دوم صورت یہ ہے کہ ایسی نیک شخصیت جو دنیا سے رخصت ہو چکی ہو اس کی ذات کا وسیلہ پیش کیا جائے یہ بھی سنت نبوی سے ثابت ہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے لئے دعا کرتے ہوئے آپ ﷺ نے گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کا وسیلہ پیش کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو دعا سکھلائی اس میں بھی گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وسیلہ پیش کرنے کی تعلیم دی۔

۵...... حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی خدمت میں حاضری کی کوشش کرتا لیکن اس کو اجازت نہ ملتی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس کو وہی دعا سکھلائی جو آپ ﷺ نے نابینا کو تعلیم دی تھی اس نے وہ دعا مانگی اور حاضری کی اجازت ملی اور ضرورت پوری ہوئی۔
(معجم طبرانی صغیر ج ۱ ص ۱۸۳، خلاصۃ الوفاء بحوالہ بیہقی)

اس حدیث کی سند وہی ہے جو حدیث نمبر ۳ کی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی بزرگ ہستی اس دنیا میں ابھی نہیں آئی اور اس نے تشریف لانی ہے اس کی ذات کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی جائے یہ صورت بھی درست ہے اور قرآن مجید سے بھی ثابت ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (سورۃ بقرۃ) یہود آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے آپ کے وسیلہ سے) کافروں کے مقابلہ میں فتح کی دعا مانگتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں: "اللهم انا نسألك بحق احمد النبي الأمي الذي وعدتنا ان تخرجه لنا في آخر الزمان وبكتابك الذي تنزل عليه آخر ما تنزل أن تنصرنا على اعدائنا" (فتح العزیز ج ۱ ص ۳۸۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۸۸، روح المعانی ج ۱ ص ۳۲)

ترجمہ: اے اللہ ہم تجھ سے احمد نبی امی کے وسیلہ سے جس کے آخر زمانہ میں ظاہر کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو آخری اترنے والی کتاب ہوگی اور تو آپ ﷺ پر نازل فرمائے گا سوال کرتے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

علماء احناف فرماتے ہیں کہ جو حکم یا عمل سابقہ شریعتوں کا قرآن مجید یا حدیث نبوی میں ہو اور ہماری شریعت میں اس کی ممانعت نہ ہوئی ہو وہ ہمارے لئے بھی قابل عمل ہے۔ (نور الانوار)

اور چونکہ قرآن مجید یا حدیث میں کہیں بھی توسل کی ممانعت نہیں ہے لہٰذا ہمارے لئے بھی قابل عمل ہے۔ (۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے وہ لغزش ہوئی جو انہوں نے کی تو عرش کی طرف سر اٹھا کر عرض کیا: اسئلک بحق محمد الا غفرت لی۔ میں تجھ سے حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ میری بخشش فرما۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۵۸، طبرانی صغیر ج ۲ ص ۸۲ وغیرہ)

اس حدیث کو کئی محدثین صحیح قرار دیتے ہیں تفصیلی بحث، حدیث "لولاک" کے عنوان کے تحت آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر چہ ایک جماعت اس کو ضعیف ٹھہراتی ہے لیکن موضوع ہرگز نہیں ہے اگر ضعیف بھی ہو تو بھی حرج نہیں کیونکہ فقہاء ضعیف حدیث سے استحباب عنوان ثابت کرتے ہیں اور وسیلہ بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے۔

الحاصل یہ سب صورتیں احادیث سے ثابت ہیں مگر منکر صاحب ان کو نہیں مانتے اور شرک کہتے ہیں نہ معلوم ان کے ہاں شرک کی تعریف کیا ہے؟

البتہ صرف ایک صورت مانتے ہیں کہ نیک آدمی سے اس کی زندگی میں اس طرح وسیلہ اختیار کیا جائے کہ ان سے دعا کرائی جائے حالانکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان بندے کو واسطہ بناتا ہے ایک شخص اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ یا اللہ اپنے نبی کے طفیل میرا یہ کام کردے یہ ایسے ہے جیسے براہ راست بادشاہ سے کہے کہ آپ کو اپنی ماں کا واسطہ میرا یہ کام کردے نہ اس سے بادشاہ یہ سمجھتا ہے اور نہ ہی کہنے والا کہ اس کی ماں کو بادشاہی یا اختیارات میں بادشاہ کے ساتھ شریک کردیا اور نہ ہی اس سے بادشاہ پر دباؤ پڑتا ہے اس کو منور صاحب شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ شخص براہ راست اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے غیر اللہ کو نہیں پکار رہا جب کہ دوسری صورت جو ہے کہ آدمی کسی بزرگ سے کہے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگو یہ ایسے ہے جیسے بادشاہ کے مقرب یا مثلاً اس کے والد کو کہے کہ بادشاہ سے کہو میرا کام کردے اس صورت میں کہنے والا بادشاہ کے بجائے اس کے مقرب کے سامنے اپنی حاجت پیش کررہا ہے اللہ تعالیٰ کے بجائے بزرگ کے سامنے پیش کررہا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ کام اس مقرب کی وجہ سے ضرور ہوگا اس سے بادشاہ پر دباؤ پڑے گا اس کو منور صاحب جائز کہہ رہے ہیں حالانکہ پہلی صورت آیت کریمہ هؤلاء شفعائنا کا بالکل مصداق نہیں ہے اور یہ صورت ہی بلاشبہ مصداق بنتی ہے منور صاحب اور مماتی صاحبان الٹی چال چلتے ہیں ان حضرات کو چاہئے کہ شرک کی تعریف کرکے واضح کریں کہ توسل کیوں اور کیسے شرک ہے لیکن ایسی تعریف ہو جس سے نبی کریم ﷺ مشرک نہ ٹھہریں۔ (معاذ اللہ)

ایک جھوٹی روایت

منور صاحب اور ڈاکٹر عثمانی اپنی طرف سے ایک روایت بناتے ہیں کہتے ہیں وسیلے کا شرک ایک مدت سے چلا آرہا تھا اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے جب یہ مسئلہ لایا گیا (کون لایا کب لایا اور کس کتاب میں نقل ہے؟) تو وحی نازل ہوئی و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب (اسلام یا مسلک پرستی ص ۲۱، وسیلے کا شرک ص ۵، یہ قبریں ص ۸)

آیت کی تفسیر کے بارے میں یہ روایت ڈاکٹر عثمانی نے گھڑی اور منور صاحب نے لکیر کا فقیر ہو کر اس سے لے کر کتاب میں درج کردی حالانکہ اس کا کسی کتاب یا تفسیر میں نام و نشان نہیں ملتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

ڈاکٹر عثمانی اور منور صاحب لکھتے ہیں: علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی ج ٦ ص ١٢٥ پر لکھتے ہیں کہ کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ دعا کرے اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے درخواست کی جارہی ہو وہ زندہ ہو دوسری طرف میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں ہے۔　(اسلام ص ۲۳، وسیلے کا شرک ص ۱۰)

جواب: اس عبارت کے آخری حصہ کا تعلق مسئلہ استمداد سے ہے اس کی زیادہ تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے کی ہے ان کی عبارت یوں ہے۔ استمداد تین قسم پر ہے ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے دوسرے یہ کہ کہئے اے فلاں خدا سے دعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے یہ مبنی اوپر سماع کے ہے جو سماع موتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک درست اور دوسروں کے نزدیک ناجائز اسی کو شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ) نے لکھا ہے: و ان الاستعداد باھل القبور فی غیر النبی و الأنبیاء علیہم السلام فقد انکرہ کثیر من الفقھاء (ترجمہ قبروں والوں سے مدد چاہنے کا جو مسئلہ ہے تو نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا عام مردوں سے بہت سے فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے) انبیاء علیہم السلام کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں تیسرے یہ کہ دعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام پورا کر دے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے۔ (فتاوی رشیدیہ کامل ص ۹۰ طبع سعید کمپنی)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کا تعلق دوسری صورت سے ہے پہلی صورت کو فقہاء کی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ بھی ناجائز کہتے ہیں فرماتے ہیں۔ و اعظم من ذالك انھم یطلبون من اصحاب القبور نحو اشفاء المریض و اغناء الفقیر و رد الضالة و تیسیر کل عسیر (روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۷)

یعنی اس سے بھی عظیم تر بات یہ ہے کہ لوگ قبروں والوں نے مریض کو شفا دینا اور فقیر کو مالدار کرنا اور گم شدہ چیز واپس کرنا اور ہر مشکل کی آسانی مانگتے ہیں۔ لیکن اس وقت بحث تیسری صورت میں ہے اور اس کے بارے میں جو ہمارا موقف ہے علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی بھی وہی رائے ہے فرماتے ہیں: انا لا اری باسا فی التوسل الی اللہ تعالیٰ بجاہ النبی ﷺ عند اللہ تعالیٰ حیا و میتا۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ہر طرح ان کے اس جاہ و مرتبہ کا وسیلہ پیش کرنے میں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے میں حرج نہیں سمجھتا۔

التوسل بجاہ غیر النبی ﷺ لا باس بہ ایضاً۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لئے دعا کرنا بھی جائز ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۷، ۱۲۸)

نبی کریم ﷺ کے سوا کسی اور کے جاہ و مرتبہ سے وسیلہ پیش کرنے میں بھی حرج نہیں ہے جب کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جاہ و مرتبہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک

منور صاحب اور ڈاکٹر عثمانی قدوری کی شرح کرخی باب الکراہیۃ اور ہدایہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی کہے بحق تیری مخلوق کے۔ (اسلام ص ۲۳) امام صاحب کے اس قول کو توسل کے ناجائز ہونے کی دلیل بنانا درست نہیں ہے۔ توسل کئی الفاظ سے کیا جاتا ہے برکت فلاں، بطفیل، بوسیلہ، بحرمت، بحق فلاں وغیرہ۔ ان میں سے صرف "بحق فلاں" کو مکروہ کہا گیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ توسل ناجائز ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق لازم ہے (جب کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک لازم نہیں اس کا احسان ہے) تو اس لفظ کے استعمال کو ان کے غلط عقیدے کی وجہ سے ناپسند کیا گیا۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد لیتے ہیں اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ کے ہو گئے تھے۔ لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشابہ ہو جائے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۴)

حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر

منور صاحب کہتے ہیں: علماء دیوبند کے عقائد پر مبنی ان کی کتاب المہند علی المفند میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ یہ (صرف) برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔

اور کہتے ہیں: قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔

اور کہتے ہیں: (حیات کا عقیدہ رکھنے والا) نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی دائمی صفت الٰہی میں شریک بھی کرتا ہے اصل میں قبر میں حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ہی قبر پرستی کے شرک کی جڑ ہے۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۲۶ و ۳۴)

جواب: قرآن مجید اور احادیث طیبہ کا ہم نے بھی مطالعہ کیا ہے لیکن ہمیں تو اس عقیدے میں قرآن و حدیث مخالف نظر نہیں آئے اور ہم نے بھی شرک کی تعریف پڑھی ہے لیکن ہمیں یہ عقیدہ نہ تو شرکیہ معلوم ہوا اور نہ سبب شرک، منور صاحب اور مماتی صاحبان مرنے کے بعد روحانی زندگی مانتے ہیں کہ روح زندہ ہے اور اپنے ٹھکانے یعنی علیین یا جنت میں ہے اور جسم کو زندہ نہیں مانتے لیکن کئی باتیں قابل غور ہیں۔

۱...... یہ کہ قرآن مجید میں ہے: کیف تکفرون باللہ و کنتم أمواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم مردے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا پھر تم کو موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (بقرہ)

اس آیت مبارکہ میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے پہلی موت اس وقت جب ہم دنیا میں نہ آئے تھے دوسری موت دنیا میں آنے کے بعد روح قبض ہونے کے وقت کی ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ میں جسم کے اندر روح ڈالے جانے کے وقت سے شروع ہوئی دوسری زندگی قبر یا قیامت کے دن کی ہے حل طلب بات یہ ہے کہ موت جسم میں روح نہ ہونے اور تعلق نہ ہونے کا نام ہے اور حیات روح جسم میں ہونے یا اس کا جسم سے تعلق ہونے کا نام ہے تو آیت میں جس پہلی موت کا ذکر ہے اس وقت جسم بنا ہی نہ تھا تو وہ صرف روح کی زندگی تھی تو جب صرف روح کی زندگی کو قرآن مجید موت کہہ رہا ہے تو شہداء اور انبیاء کرام کی زندگی صرف روح کی زندگی کیسے ہو سکتی ہیں جب کہ اس پر حیات کی تعریف صادق نہیں آتی بلکہ موت کی تعریف صادق آتی ہے؟

۲...... قرآن مجید کے الفاظ ہیں: "من یقتل، الذین قتلوا" یعنی جو قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اب بتائیں قتل روح ہوئے یا جسم؟ روح کو تو نہ موت آتی ہے نہ قتل ہوتا ہے تو جب جسم قتل ہوئے تو قتل ہونے والوں یعنی جسموں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے اور جسموں کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔

۳...... اللہ تعالیٰ کی صفت الحی ہے جس کا معنی زندہ ہے میں اور آپ بھی زندہ ہیں اور شہداء کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا احیاء کہ وہ زندہ ہیں اور قرآن مجید میں ہے۔

یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی اللہ تعالیٰ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ ہے۔ تو اس آیت کے مطابق ہر انسان اور پرندہ زندہ ہے تو اگر مطلق زندگی غیر اللہ کی ماننا شرک ہے تو ہم اور آپ ان چلنے پھرنے والی زندہ مخلوقات کو کیوں زندہ کہتے ہیں؟ ورنہ کم از کم آپ لوگوں کی تعلیم کے مطابق ہم آپ کو مردہ کہیں گے کہ یہ جناب چلتا پھرتا مردہ ہے اور اگر مطلق زندگی ماننا شرک نہیں ہے مثلاً ہم سب زندہ لوگ جسم و روح کے مجموعہ کے ذریعہ زندہ ہیں اور جنت و دوزخ میں جانے والے بھی وہاں روح و جسم کے مجموعہ سے زندہ ہوں گے اور صرف روح کی زندگی ماننا بھی شرک نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا عقیدہ ہے تو روح کے تعلق سے جسم میں زندگی ماننا کیوں شرک ہے آپ صرف روح کی زندگی مانیں تو موحد ہیں اور ہم روح کے تعلق سے جسم کی زندگی بھی مانیں تو مشرک ہیں کیوں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی صفت الحی کی تشریح یہ ہے کہ روح کے تعلق سے جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ زندہ ہے؟ تو ہرگز یہ شرک نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا زندہ ہے جو ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہے گا اور اس کی زندگی ذاتی ہے کسی کی عطا نہیں ہے اور روح و جسم کا محتاج نہیں ہے جب کہ بندوں کی زندگی ایسی نہیں چاہے زندہ ہوں یا مردہ، خود منور صاحب شہداء کی زندگی والی آیت لکھ کر کہتے ہیں: اللہ کا فرمان سر آنکھوں پر قرآن کے ایک حرف کا بھی منکر کافر ہے اللہ نے تو واضح فرمادیا کہ ان کی حیات کا تمہیں شعور نہیں ہے (اگر یہ دنیوی حیات ہوتی تو شعور لازماً ہوتا ثابت ہوا کہ یہ حیات برزخی ہے دنیاوی نہیں)۔ (اسلام ص ۲۹) دنیاوی نہ سہی برزخی حیات ہی ہوئی اور زندہ تو ہوا تو صفت الحی میں شرک کہاں گیا؟

شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہونے کی روایت

منور صاحب کہتے ہیں مسلم کی روایت کے مطابق شہداء کو اڑنے والے سبز جسم عطاء کئے جاتے ہیں اور وہ عرش الٰہی کے نیچے معلق قندیلوں میں قیام کرتے ہیں۔　　(اسلام ص ۲۹)

جواب: اس روایت سے ان کی روحوں کا مقام اور ان کی روحانی زندگی معلوم ہوئی اور قرآن مجید سے جسمانی (جسم عنصری میں زندگی ثابت ہوئی اور جسم کی زندگی روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہوسکتی تو (دونوں میں تطبیق سے معلوم ہوا کہ روحیں اگرچہ عرش کے نیچے ہوتی ہیں اور جنت کی سیر کرتی ہیں لیکن جسموں سے بھی ان کا تعلق ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام شہید ہیں

اور حضور نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام کو درجہ شہادت حاصل ہے علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں۔ و ما نبی الاقد جمع مع النبوۃ وصف الشھادۃ فیدخلون فی عموم لفظ الآیۃ جو بھی نبی ہے اس میں صفت نبوت کے ساتھ صفت شہادۃ بھی جمع ہے لہٰذا وہ بھی آیت کے عام الفاظ کے تحت داخل ہوں گے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: کہ میں نو بار یہ قسم کھاؤں کہ نبی کریم ﷺ شہید ہوئے ہیں یہ مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک بار قسم کھاؤں کہ آپ شہید نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی ﷺ بھی بنایا ہے اور شہید بھی۔　　(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸)

علامہ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲) کا انتقال ہوگیا ہے۔فان الشهادة حاصلة له ﷺ على اتم الوجوه لانه شهيد الشهداء وقد صرح ابن عباس و ابن مسعود وغيرهما ﷺ بانه ﷺ مات شهيدا۔شہادت اس کے لئے انتہائی تکلیف میں ہے، اس لئے کہ وہ شہیدوں میں سے شہید ہے، اور ابن عباس اور ابن مسعود نے اسے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔　　　　(القول البدیع ص ۱۷۳ الطبع بیروت)

آپ ﷺ کو بدرجہ اتم شہادت حاصل ہے کیونکہ آپ شہیدوں کے بھی شہید ہیں اور حضرت ابن عباس و ابن مسعود وغیرہ نے صاف فرمایا ہے کہ آپ شہید فوت ہوئے ہیں۔علامہ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: ''وقد كان ابن مسعود وغيره يرون انه ﷺ مات شهيدا من السم'' حضرت ابن مسعود وغیرہ یہی سمجھتے تھے کہ آپ زہر سے شہید فوت ہوئے ہیں۔　　　　(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۲ ص ۲۵۴ طبع ملتان)

نبی کریم ﷺ کو ۷ھ میں خیبر میں زہر ملا کھانا دیا گیا جس کی وجہ سے آپ کے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ مجھے اس زہر کا اثر محسوس ہو رہا ہے جیسے میری ابھری رگ کٹ رہی ہو (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۷) اور آپ سے اس وجہ سے بھی شہید ہیں کہ شہادت کی تمنا کرتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں۔(بخاری ج ۱ ص ۳۹۲) اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: من سال الله الشهادة صادقا من قلبه بلغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه''　　　　(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۰۷ مسلم وغیرہ)

جس نے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے شہادت مانگی اللہ اس کو شہداء کے مراتب پر پہنچائے گا اگرچہ بستر پر دوفات پائی ہو۔

لہٰذا آپ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہادت حاصل ہے اور شہداء سے بھی بڑھ کر درجہ میں ہونے کی وجہ سے یہ حیات بدرجہ اتم حاصل ہے۔

اہلسنت والجماعت کے دلائل اور منور ومماتی صاحبان کی جرح

اس عقیدہ حیات پر اہلسنت والجماعت کے بکثرت دلائل ہیں یہاں صرف انہی پر بحث کی جاتی ہے جن پر منور صاحب نے جرح کی ہے۔

۱...... ایک دلیل حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے (خصوصی طور پر) حاضر ہوتے ہیں تو جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔میں نے عرض کیا کہ موت کے بعد بھی ایسا ہوگا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق ملتا ہے۔　　　　(ابن ماجہ ص ۱۱۸ باسناد جید کذا فی الترغیب للمنذری حدیث نمبر ۲۵۹۴)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ:

۱...... دنیاوی زندگی میں آپ ﷺ پر درود شریف پیش ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے بھی اسی کا ذکر فرمایا اس وجہ سے صحابی نے موت کے بعد کا پوچھا۔

۲...... وفات کے بعد بھی آپ ﷺ پر درود شریف پیش ہوتا ہے۔

۳...... وفات سے پہلے چونکہ روح وجسم کے مجموعہ پر پیش ہوتا تھا اس وجہ سے صحابی کے ذہن میں سوال آیا کہ وفات کے بعد کس پر پیش ہوگا؟

۴...... نبی کریم ﷺ نے جسم کے محفوظ ہونے کا ذکر فرما کر واضح فرمایا کہ وفات کے بعد بھی جسم وروح دونوں پر پیش ہوگا اس طرح کہ جسم بوسیدہ نہ ہوگا بلکہ محفوظ ہوگا۔

۵...... اور ظاہر ہے کہ جسم میں حس وشعور نہ ہو تو پیش ہونے کا کوئی مطلب نہیں جس سے معلوم ہوا کہ جسم میں حس وشعور ہوگا اور وہ چونکہ روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہوسکتا تو اس حدیث سے جسم سے روح کا تعلق بھی ثابت ہوا۔

اس حدیث پاک کو علامہ سمہودی اور علامہ سخاوی اور امام منذری اور مولانا بدر عالم اور علامہ دمیری و محمد مہدی القائی صحیح اور مجود سند والی فرماتے ہیں۔

(خلاصۃ الوفاء ۴۵، القول البدیع ص ۱۶۴، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۳۰ مطالع المسرات ص ۳۲)

منور صاحب کہتے ہیں مرسل ہونے کے علاوہ اس کے ایک راوی سعید بن ابی ہلال کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے۔ (اسلام ص ۳۴)

جواب: منور صاحب کی دونوں باتیں حدیث پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوتیں مرسل ہونے کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور مالکیوں اور کوئی محدثین کے نزدیک اور امام احمد کے ایک قول میں اور امام شافعی چند شرطوں کے ساتھ جو اس روایت میں موجود ہیں مرسل روایت کو حجت مانتے ہیں۔

(نزہۃ النظر لابن حجر ص ۶۴، الباعث الحثیث لابن اثیر ص ۲۱)

لہٰذا روایت حجت ہے اور راوی سعید بن ہلال کو اکیلے ابن حزم نے ضعیف کہا ہے محدثین ابن حزم کا ساتھ نہیں دیتے امام ذہبی فرماتے ہیں ثقہ اور صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۶۲)

امام دارقطنی فرماتے ہیں ثقہ ہے (فہارس مع الدارقطنی ۲۷۱ ج ۴) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ اور مضبوط ہے صرف ابن حزم نے ضعیف کہا ہے جس کا کوئی تائیدی نہیں ہے۔ (لسان المیزان ج ۷ ص ۲۳۲ تقریب التہذیب ج ۱ ص ۳۶۶)

تو جب سب محدثین ثقہ کہیں اور اکیلے ابن حزم ضعیف کہیں تو مطلب کی خاطر کیا ابن حزم کے پیچھے چلنا جائز ہے جب کہ یہ بھی نہ بتاسکیں کہ کیوں ضعیف ہے؟ ابن حزم نے تو امام ترمذی جیسے مشہور محدث وحافظ کو بھی مجہول کہہ دیا ہے۔

منور صاحب کہتے ہیں: اور ابوبکر ابن العربی مالکی کے نزدیک یہ روایت ثابت بھی نہیں ہے؟ (اسلام ص ۳۴)

جواب: اگر علامہ ابن العربی کی بات کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کا سرے سے وجود نہیں تو یہ غلط ہے ابن ماجہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ صحیح ثابت نہیں تو یہ بھی درست نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ منور صاحب دوسروں سے نقل کرنے والے ہیں ابن العربی کا یہ قول حضرت ابوالدرداء کی مذکورہ روایت کے بارے میں نہیں بلکہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق ہے جو ابھی آنے والی ہے۔ بہر حال ان کا قول درست نہیں دیکھیئے۔ (آثار السنن ص ۲۹۶)

۲...... اہلسنت والجماعت کی دوسری دلیل حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے اس میں اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس میں موت دی اور اس میں پہلا اور دوسرا صور پھونکا جائے گا تو جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود شریف مجھ پر پیش ہوتا ہے صحابہ نے عرض کیا جب آپ (وفات کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے تو ہمارا درود شریف آپ پر کیسے پیش ہوگا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔'' (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۱، ابن ماجہ ص ۱۱۸، مسند احمد ج ۸ ص ۴ سنن نسائی، حدیث نمبر ۱۳۶۲ سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۸، ۲۴۹، شعب الایمان ج ۳ ص ۱۱۰، وسنن دارمی ج ۱ ص ۴۴۵) اس حدیث کو علامہ محمد بن علی نیموی اور امام نووی اور علامہ سخاوی اور علامہ سمہودی اور علامہ محمد مہدی القائی اور علامہ ابن القیم اور امام حاکم وغیرہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (آثار السنن ص ۲۹۵، الاذکار ص ۱۲۸، ریاض الصالحین ص ۵۲۹، القول البدیع ص ۱۶۳، خلاصۃ الوفاء ص ۴۵، مطالع المسرات ص ۳۰۲، جلاالافہام ص ۳۶، الترغیب والترحیب للمنذری ح نمبر ۲۵۹۶ وغیرہ) اس حدیث سے بھی وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوئے۔

منور صاحب کہتے ہیں: یہ معلل روایت ہے اس کے راوی حسین بن علی الجعفی نے اس میں تلبیس کرتے ہوئے ضعیف اور مجروح راوی عبدالرحمن بن یزید بن تمیم کی جگہ ثقہ راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر کا نام لے کر روایت کی ہے اور عبدالرحمن بن یزید بن تمیم پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ (اسلام ص ۳۴)

<u>جواب</u>: یہ بات درست نہیں کیونکہ محدثین نے صراحت کی ہے کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کرنے والوں میں حسین الجعفی بھی ہے اور الجعفی کا عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سماع بھی ثابت ہے چنانچہ علامہ ذہبی ابن عساکر سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے ابوالاشعث صنعانی اور ابوکبشہ سلولی اور بہت سے لوگوں سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور ولید بن مسلم، ابن شابور اور حسین الجعفی اور دوسرے لوگ روایت کرنے والے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۹۹)

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: حسین بن علی الجعفی نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سماع کی تصریح کی ہے چنانچہ ابن حبان میں ہے کہ ہمیں ابن خزیمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں ابوکریب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں حسین بن علی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں حدثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر، ہمیں عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے بیان کیا تو حسین نے ان سے سماع کی صراحت کر دی اور رہی یہ بات کہ حسین نے راوی کے متعلق خیال کیا کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے جب کہ وہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم تھا لیکن حسین نے ان کے دادا کے نام میں غلطی کی تو یہ بات بھی بعید ہے کیونکہ یہ بات حسین پر مشتبہ نہیں ہو سکتی تھی جب کہ ان کو مہارت اور ابن جابر اور ابن تمیم کا علم بھی ہے اور دونوں سے سماع بھی ہے۔ (جلاء الافہام ص ۲۳۴ طبع بیروت)

امام ابوالحجاج مزی اور دارقطنی نے بھی ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کرنے والوں میں حسین بن علی الجعفی بھی ہے۔ (جلاء الافہام ص ۳۵)

لہٰذا حسین نے ہرگز تلبیس نہیں کی وہ ثقہ اور عبادت گزار راوی ہیں البتہ امام دار قطنی کے حوالہ سے علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ ایک اور راوی ابو اسامہ ہیں جو ابن تمیم سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں لیکن وہ دادا کے نام میں غلطی کر کے ابن جابر بولتے ہیں۔ (جلد الافہام ص ۳۵)

جتنی کتب حدیث میں یہ روایت ہے سب میں حسین بن علی عن عبدالرحمن ابن یزید بن جابر کی تصریح ہے ملاحظہ کرلیں مذکورہ بالا حوالے، امام بخاری کے سوا کسی نے تلبیس کا التزام نہیں لگایا اور یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جو ہرگز قبول نہیں کسی بھی کتاب میں حسین بن علی عن عبدالرحمن بن یزید بن تمیم نہیں ہے۔

۳...... اور ایک دلیل حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا جو بیت المقدس کے نزدیک سرخ ٹیلے کے پاس ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰ ج ۳، ص ۵۹ ج ۵ ص ۱۴۸، حلیۃ الاولیاء ص ۴۰۳ ص ۳)

یہ حدیث ایسی صحیح ہے جس پر اس عقیدے کے منکرین انگلی نہیں اٹھاتے اور نہ اٹھا سکتے ہیں اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ:

۱...... حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں صحیح حدیث سے اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲...... قبر میں جسم عنصری ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم عنصری کے کھڑے ہونے کا مشاہدہ کیا اور جسم عنصری بغیر حیات کھڑا نہیں ہو سکتا اور حیات روح کے تعلق یا دخول کے بغیر نہیں ہو سکتی تو اس حدیث سے جسم عنصری میں حیات اور روح کا جسم عنصری سے تعلق ثابت ہوتا ہے۔

۳...... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدم کو بھی قبر کے اندر کا حال ظاہر ہو جاتا ہے۔

منور صاحب اور ڈاکٹر عثمانی اور مماتی صاحبان کہتے ہیں: یہ واقعہ معراج کا ہے جو کہ ایک معجزہ تھا اور معجزہ کے ایک غیر معمولی فعل ہونے کی وجہ سے اسے بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ (اسلام یا مسلک پرستی)

جواب: ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ان چیزوں کو دیکھنا معجزہ ہے یہ نہیں کہ جو کچھ دیکھا اس کا وجود آپ کا معجزہ ہے ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود، بیت المقدس، عذاب و ثواب کی مختلف صورتوں کا وجود، جنت و دوزخ، سدرۃ المنتہیٰ عرش وغیرہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوگا اور بطور معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑا کر کے نماز پر لگا دیا ہوگا، حالانکہ یہ سب کچھ اس طرح نہیں ہے لہٰذا ان چیزوں کا دیکھنا، قبر پر کھڑے ہو کر قبر کے اندر کے حال کا مشاہدہ تو معجزہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں ہے (بلکہ وہ حیات انبیاء بجسد ہم کی دلیل ہے)

دوسرا شبہ: منور صاحب کا یہ ہے کہ اس سفر معراج میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں وہیں آسمان پر ان سے ملاقات کے وقت انہیں نہ پہچان سکے اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا من ھذا یا جبریل (اے جبریل یہ کون ہے) حالانکہ اس سے پہلے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کراتے وقت ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۴)

جواب: اس شبہ کا تعلق عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام کے ثبوت سے نہیں واقعہ معراج سے ہے لیکن اس شبہ سے صرف قبر میں دیکھنے کا ہی کیوں انکار کیا جائے چاہئے یہ کہ بیت المقدس میں ملاقات اور امامت کرنے کا بھی انکار کر دیا جائے اور آسمان پر ملاقات کا بھی انکار کر دیا جائے تا کہ نہ تعارض رہے نہ حل تلاش کرنے کی ضرورت ہو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

حضرت ملا علی قاری امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں: کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے جو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے پھر آپ ﷺ کو اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو اوپر (آسمان پر لے جایا گیا اور وہاں آپ نے آسمانوں پر ان سے ملاقات کی پھر واپسی پر) انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں جمع ہوئے اور آپ ﷺ نے نماز میں ان کی امامت کرائی۔

امام ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آسمانوں پر اکٹھے ہوئے پھر واپسی پر بیت المقدس اترے اور وہاں انبیاء علیہم السلام حاضر تھے تو ان کو آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

حضرت ملا علی قاری یہ اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں: یہی بات ہی ظاہر ہے کیونکہ حدیث معراج کے اکثر صحیح طرق میں یہ بات ہے کہ: جب آپ ان سے آسمانوں پر ملے تو جبریل علیہ السلام سے ان کا حال اور ہر ایک کا نام پوچھا گویا آپ نے ان کو نہیں پہچانا تو اگر پہلے مسجد اقصیٰ میں دیکھ چکے ہوتے تو حال اور نام پوچھنا بعید ہوتا۔　(جمع الوسائل ص ۶۳ ج ۱)

اس حل کے مطابق امامت بعد میں کرائی اور پہلی ملاقات آسمانوں پر ہوئی تو پہلی ملاقات پر پوچھنا من هذا یا جبریل باعث اشکال نہیں۔

۴...... امت کی ایک دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو امام ابو یعلی اور بزار اور بیہقی نے اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔　(انباء الاذکیا ص ۱، القول البدیع ص ۱۷۲)

علامہ جلال الدین سیوطی اور امام بیہقی اور علامہ سخاوی اور علامہ ابن حجر اور علامہ نور الدین سمہودی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا علی قاری اور شیخ الحدیث مولانا زکریا وغیرہ رحمہم اللہ محدثین نے اس حدیث کو صحیح اور ثقہ راویوں سے مروی فرمایا ہے۔ (الحاوی للفتاوی ص ۱۶۳ ج ۲، القول البدیع ص ۱۷۲، فیض الباری ص ۶۴ ج ۲، خلاصۃ الوفاء ص ۴۵، مدارج النبوۃ ص ۵۷۵ ج ۲، فضائل درود شریف ص ۴۲، مرقات وغیرہ)

منور صاحب اس روایت کے متعلق کہتے ہیں: بیہقی اور ابو یعلی کی اس سلسلے میں پیش کی جانے والی روایت بھی درست نہیں اور ان کے راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۴) ڈاکٹر عثمانی نے اس کے دو راویوں پر جرح نقل کی ہے مستلم بن سعید اور حجاج بن اسود کہ یہ دونوں ضعیف ہیں۔　(یہ قبریں یہ آستانے ص ۱۳)

جواب: حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں راوی ثقہ ہیں۔

علامہ سخاوی شافعی فرماتے ہیں: اس کا راوی یحیی بن ابی بکیر بخاری شریف کا راوی ہے اور مستلم بن سعید کو امام احمد اور ابن حبان نے ثقہ فرمایا ہے۔　(القول البدیع ص ۱۷۲)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: سچا اور عبادت گزار ہے بھی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (تقریب ص ۱۷۴ ج ۲)
اور بھی وہم میں مبتلا ہونا عیب نہیں۔ (لسان المیزان ص ۱۷ ج ۱)
اور حجاج بن اسود کے بارے میں علامہ سخاوی فرماتے ہیں: امام احمد اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے
(القول البدیع ص ۱۷۲)
علامہ ابن حجر فرماتے ہیں امام احمد کا قول ہے کہ ثقہ اور نیک صالح آدمی ہے اور ابو حاتم فرماتے ہیں صالح الحدیث ہے (اس کی حدیث درست ہوتی ہے) امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔
(لسان المیزان ص ۱۷۵ ج ۲)
لہٰذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے بالخصوص جب کہ صحیح مسلم کی صحیح حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔
۵...... ایک دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: من صلی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا بلغتہ جو میری قبر پر میرے لئے دعا کرے گا، میں اسے سنوں گا، اور جو میرے لئے دعا کرے گا، اس کی زبان میں دعا پوری کی جائے گی۔ (جلاء الافہام ص ۱۸ شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۸)
جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھا وہ میں سنوں گا اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔
علامہ سخاوی اور ملا علی قاری اور علامہ ابن حجر اور اکابرین دیوبند نے فتوی میں اس حدیث کو عمدہ سند والی قرار دیا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۶۰، الحرز الثمین شرح حصن حصین ص ۷۷۴ تسکین الصدور مرقات ج ۲ ص ۳۴۷)
اس حدیث کی دو سندیں ہیں ایک وہ ہے جس میں محمد بن عروان سدی صغیر امام اعمش سے روایت کرتا ہے وہ سند محمد بن مردان کی وجہ سے ضعیف کہی گئی ہے علامہ ابن کثیر نے تفسیر میں اور علامہ محمد طاہر ہندی نے تذکرۃ الموضوعات میں اور مولانا حسین علی نے تفسیر بے نظیر میں اسی سند پر بحث کرتے ہوئے ضعیف قرار دیا لیکن دوسری سند وہ ہے جس میں امام اعمش سے روایت کرنے والے ابو معاویہ ہیں اس کے راوی ابو معاویہ عن اعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ بخاری شریف کے راوی ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۵۳ وغیرہ) اس سند کو محدثین نے عمدہ سند قرار دیا بعض نے ابو صالح کو متروک الحدیث کہہ دیا حالانکہ یہ راوی ابو صالح ذکوان الزیات ہیں جو ثقہ راوی ہیں متروک دوسرا ابو صالح ہے بعض نے کہا اعمش مدلس اور شیعہ ہے لیکن ہر مدلس کی روایت مردود نہیں ہوتی اعمش کی تدلیس بھی مضر نہیں۔ جیسا کہ تسکین الصدور میں تفصیل سے ذکر ہے اور امام عجلی کے سوا کسی نے اس کو شیعہ نہیں کہا سچ یہ ہے کہ وہ امام اہلسنت اور اہلسنت کی دس قراءتوں میں سے ایک قراءت کے مسلم امام ہیں۔ اگر بالفرض شیعہ ہوں تو شیعہ بمعنی رافضی نہیں بلکہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان سے افضل سمجھے اس کو بھی متقدمین شیعہ کہہ دیتے ہیں۔ ایسے شیعہ راوی کی روایت بھی ہرگز رد نہیں ہے۔ چہ جائیکہ امام اہلسنت کی روایت رد ہو۔ تو اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ:
۱...... نبی کریم قبر اطہر کے پاس پڑھا ہوا درود و سلام خود بلا واسطہ سنتے ہیں جو سماع اور حیات اور روح کے جسم اطہر سے تعلق کی دلیل ہے۔

۲...... اور دور سے پڑھے ہوئے درود شریف وسلام کو آپ کے بلا واسطہ نہیں سنتے بلکہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں ذکر ہے۔ درود شریف دور سے پڑھا ہوا پہنچایا جاتا ہے۔

دور سے درود شریف پہنچنے کو بھی منور صاحب نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ بات قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ درود شریف نبی علیہ السلام کی طرف لوٹتا ہے۔

یہ محض مغالطہ ہے کیونکہ حدیث پاک میں یہ تو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف نہیں پہنچتا تو یہ قرآن مجید کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔

دور سے درود شریف پہنچنے کی روایات بکثرت ہیں جن میں سے ایک روایت خود منور صاحب نے نقل کی ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے سکھایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو تشہد یوں پڑھے) التحیات اللہ والصلوات والطیبات السلام علیك ایھاالنبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین آپ ﷺ نے فرمایا جب تم یہ کہو گے تو تمہارا اسلام ہر نیک بندے کو پہنچ جائیگا جو آسمان میں ہے یا زمین میں ہے۔''

(اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۷)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز میں پڑھا ہوا اسلام ہر نیک بندے تک پہنچ جاتا ہے اور نماز میں نبی کریم ﷺ پر بھی درود وسلام پڑھا جاتا ہے تو یقیناً آپ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت بھی منور صاحب نے نقل کی ہے مگر اس کا ایک جملہ نقل کیا دوسرا جملہ ان کے خلاف تھا اس وجہ سے چھوڑ دیا۔ لاتجعلو اقبری عیداو صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم ''میری قبر کو عید نہ بناؤ اور میرے لئے دعا کرو کیونکہ میں جہاں بھی جاؤں گا تمہاری دعا مجھ تک پہنچے گی۔ (ابوداود ج ا ص ۲۸۶) میری قبر کو میلے کی جگہ نہ بنانا اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچتا رہے گا جہاں بھی تم ہو گے۔ (اسلام ص ۱۰۶)

معلوم ہوا کہ دور سے درود شریف پہنچنا صحیح روایات سے ثابت ہے جو منور صاحب کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔

۱...... اہلسنت والجماعت کی ایک دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان للہ ملائکة سیاحین في الأرض یبلغوني من امتی السلام بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں چلنے والے ایسے ہیں جو مجھ تک میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۲۸، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۰۹، مسند احمد ج ا ص ۳۸۸، ۱۳ سنن نسائی ح نمبر ۱۲۱۷، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۲۳، شعب الایمان ح نمبر ۱۵۸۲، الزہد لابن المبارک حدیث نمبر ۱۰۲۸ ص ۳۰۳)

اس حدیث کو امام حاکم اور ابن قیم اور علا سمہودی اور محمد بن محمد جزری اور علامہ البانی ملا علی قاری وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۵۹ خلاصۃ الوفاص ۳۶، جلاء الافہام ص ۲۲ حصن حصین مع الشرح ص ۲۰۴، مرقات ص ۱۴۳ ج ۲)

اس حدیث سے وہی فوائد ثابت ہوتے ہیں جو حضرت ابوالدرداء اور اوس بن اوس کی روایات سے ثابت ہوئے۔

منور صاحب کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں پیش کی جانے والی ملائکہ سیاحین والی روایت بھی موضوع ہے اور اس کا ایک راوی زاذان شیعہ ہے۔ (اسلام ص ۳۸)

جواب: زاذان سے متعلق یحیی ابن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے امام ابن عدی فرماتے ہیں ہے امام ابن کے اس کی احادیث لا باس بھا (یعنی صحیح) ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۲۳ ج ۲) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں سچا راوی

ہے۔ (تقریب ج ا ص ۳۰۷) علامہ ابن القیم فرماتے ہیں ثقہ ہے اکابر صحابہ حضرت عمر وغیرہ سے روایات لیتا ہے امام مسلم نے صحیح میں اس کی روایت لی ہے۔ حمید بن ہلال فرماتے ہیں ایسا ثقہ ہے جس کے بارے میں پوچھا ہی نہ جائے۔ (الروح ص ۶۹)

باقی رہا اس کا شیعہ ہونا تو اس سے روایت پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ شیعہ بمعنی راضی نہیں اگر اس میں شیعیت ہو تو اس معنی میں کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اس معنی میں شیعہ کئی اکابرین اہلسنت بھی تھے ایسے قسم کے شیعہ کی روایت ضعیف بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ موضوع ہو۔ (میزان ج ا ص ۵، لسان ج ا ص ۹)

منور صاحب کے دلائل اور شبہات

ا...... منور صاحب نے اپنے دلائل میں کچھ وہ آیات اور احادیث پیش کی ہیں جن میں آپ ﷺ کی وفات کا تذکرہ ہے لیکن ایسے دلائل ہمارے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ اختلاف وفات میں نہیں وفات کے بعد قبر میں حیات کا اختلاف ہے بلکہ یہاں تک مماتی اور منور صاحب بھی مانتے ہیں کہ وفات کے بعد برزخی حیات ہے۔ (اسلام ص ۲۹)

اب اختلافی صورت صرف یہی رہی کہ برزخی حیات میں جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے یا نہیں جس سے جسم میں بھی زندگی ہو؟ تو اس قسم کی آیات سے تعلق ہونا اور نہ ہونا کچھ ثابت نہیں ہوتا۔

اور کچھ وہ آیات یا احادیث پیش کی ہیں جن سے وفات کے بعد زندہ نہ ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲...... مثلاً قرآن مجید میں ہے ثم انکم بعد ذالك لميتون. ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون (سورہ مومنون)۔ پھر اس زندگی کے بعد تم کو موت آکر رہے گی پھر اس کے بعد قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔

یعنی آیت میں موت کے فوراً بعد زندگی ملنے کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کے دن زندہ ہونے کا ذکر ہے تو معلوم ہوا کہ آپ سے بھی دوسروں کی طرح وفات کے بعد فوراً نہیں بلکہ قیامت میں زندہ ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں قیامت سے پہلے وفات کے بعد برزخی زندگی کا ذکر نہیں ہے مگر ذکر نہ ہونے سے نہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا جیسے منکرین حدیث کہیں کہ قرآن مجید میں وضو کے اندر صرف چہرہ اور بازو کہنیوں تک اور پاؤں ٹخنوں تک دھونے کا اور سر کے مسح کا حکم ہے۔ لہٰذا کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ پھر یہ کہ برزخی زندگی تو جناب بھی مان چکے ہیں اگر وفات کے بعد قبر میں زندگی نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو برزخی زندگی بھی نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو جو جواب آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔

چونکہ قبر کی زندگی دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ اس لئے اس آیت سے نفی ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے: ''کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون'' تم لوگ کیسے اللہ تعالیٰ کے انکاری بنتے ہو حالانکہ تم مردے تھے پھر اس نے تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندگی دے گا پھر تم اس کی طرف لوٹو گے۔

امام وکیع اور ابن جریر حضرت ابو صالح سے نقل کرتے ہیں: ''ثم یحییکم فی القبر''

(الدر المنثور ج ا ص ۲۲ طبع قدیم مصر ابن کثیر ج ا ص ۲۷)

پھر اللہ تمہیں زندگی دے گا قبر میں (پھر قیامت کے دن اس کی طرف لوٹو گے) اس آیت میں حرف عطف بھی مغایرت کا تقاضا کرتا ہے کہ: ''ثم یحییکم'' میں مذکورہ حیات ''ثم الیہ ترجعون'' کے سواء ہے تو موت کے بعد دو زندگیاں مذکور ہوئیں ایک قبر کی اور دوسری قیامت کے دن کی اور'' ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون'' سے بھی جناب برزخی زندگی ثابت مانتے ہیں اور برزخ قیامت اور دنیا کے درمیان کے جہان کو کہتے ہیں۔

حضرت ابو سحر فرماتے ہیں برزخ سے مراد قبریں ہیں جو نہ دنیا سے مکمل تعلق رکھتی ہیں نہ آخرت سے تو لوگ قبروں میں رہیں گے قیامت تک۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۶)

علامہ عبدالجلیل بن موسی القصری فرماتے ہیں برزخ تین چیزوں کا نام ہے مکان، زمانہ، حال برزخی مکان قبر سے لے کر علیین یا سجین تک ہے اور زمانہ موت سے قیامت تک ہے اور حال یا راحت میں ہوگا یا عذاب ہوگا۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

پھر منور صاحب کی پیش کردہ آیت میں کامل زندگیوں کا ذکر ہے اور قبر کی زندگی دنیا اور آخرت کی کامل زندگی کی طرح نہیں ہوتی اس وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔

۴...... کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے: ''والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون'' اللہ کے علاوہ جن دوسری ہستیوں (یعنی انبیاء اور اولیاء) کو وہ لوگ (حاجت روائی کے لئے پکارتے ہیں کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں موت کے بعد وہ لوگ بالکل مردہ ہیں ان میں جان کی رمق تک باقی نہیں۔

<u>جواب</u>: سوال یہ ہے کہ منور صاحب نے ''موت کے بعد'' آیت کے کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ یہ ترجمہ اپنی طرف سے بڑھا کر تحریف معنوی کی ہے جس کے متعلق ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کا بدترین شاہکار ہے جس کے نتائج بے حد خطرناک ہیں اس فعل شنیع کا ارتکاب یہود بھی کرتے تھے اور ان پر لعنت کے اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ: ''یحرفون الکلم عن مواضعہ'' وہ کلمات کو ان کے مقام سے پھیر دیتے ہیں یعنی کتاب اللہ کے کلمات کا مطلب ہوتا کچھ اور بیان کیا جاتا کچھ۔ (اسلام یا فرقہ واریت ص ۱۵۱)

منور صاحب کا اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں یدعون کی ھم ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں وہ انبیاء اور اولیاء کو مانتے ہی نہ تھے وہ تو ۳۶۰ بتوں کی عبادت کرتے اور ان کو پکارتے تھے تو جن چیزوں کو وہ پکارتے تھے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مردے ہیں جن میں جان کی رمق تک نہیں اور ان کو تو یہ خبر بھی نہیں کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ (یبعثون کی ھم ضمیر میں دو احتمال ہیں یا بتوں کی طرف ہوتی ہے یا پکارنے والوں کی طرف) تو آیت میں بتوں کو اموات غیر احیاء فرمایا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

(حاشیہ الجمل علی الجلالین ص ۲۱۴ ج ۴ معارف القرآن مفتی اعظم ص ۵۱۶ ج ۸، ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۵ وغیرہ)

منور صاحب کہتے ہیں۔ یہ انسانوں ہی کے متعلق ہے کیونکہ انہی کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور حساب کتاب ہوں گا۔ ورنہ کیا بتوں کو بھی زندہ کیا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ جب کہ وہ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ (اسلام ص ۲۸)

جواب: جی ہاں! جناب قرآن مجید کا مطالعہ کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ قیامت کے دن بت بھی اٹھائے جائیں گے۔ ہمیں مطالعہ سے بکثرت ایسی آیت معلوم ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شریک بنائی ہوئی ہر چیز کے اٹھائے جانے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً: "ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم و شرکاؤکم فزیلنا بینھم و قال شرکاؤھم ما کنتم ایانا تعبدون" (سورۃ یونس:۲۸،۲۹) اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ (بیان القرآن) مزید سورۃ نحل آیت ۸۶، سورۃ فاطر آیت ۱۴، ۱۳، سورۃ انبیاء آیت ۹۸، سورۃ مریم آیت ۸۱،۸۲ سورۃ صافات آیت ۲۲، ۲۳ سورۃ احقاف آیت ۲، ۵ وغیرہ ملاحظہ کریں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والے اور معبودین سب قیامت کے دن حاضر ہوں گے معبود بت وغیرہ اپنی عبادت کا انکار کریں گے ان بتوں کو مشرکوں سمیت جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ وہ مشرکوں کی سزا میں اضافہ کا باعث ہوں اور مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بے حیثیت ہیں جن کی اتنی طاقت نہیں کہ اپنے کو آگ سے بچا سکیں لیکن ان بتوں کے لئے یہ سزا نہیں ہوگی صرف مشرکوں کی سزا کے لئے بطور ایندھن استعمال ہوں گے۔

منور صاحب کو ایک دوسری آیت کی وجہ سے شبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم" (اعراف:۱۹۴) وہ ہستیاں جن کو تم اللہ کے سوا (حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے) پکارتے ہو وہ تو تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں (یعنی انسان) (اسلام ص ۲۹)۔ حالانکہ عباد عبد کی جمع ہے جس کے دو معنی آتے ہیں بندگی کرنے والا، اور غلام مملوک وتابع حکم یہاں عباد دوسرے معنی میں ہے کہ یہ معبودین اللہ کے مملوک اور تابع حکم ہیں (تفسیر جلالین) یعنی ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے منور صاحب نے پہلا معنی لے کر آیت انبیاء اور اولیاء پر منطبق کردی۔ حالانکہ فرشتوں کو بھی قرآن مجید میں عبادالرحمن فرمایا لیکن فرشتے تو بندے بمعنی انسان نہیں ہیں بلکہ مملوک اور اللہ کے تابع ہیں۔ لہٰذا مذکورہ آیت کا تعلق بتوں سے ہے انسانوں سے نہیں۔

اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ انبیاء واولیاء بھی آیت میں داخل ہو کر اموات غیر احیاء ہیں تو اوّل تو وہی داخل ہوں گے جن کو پکارا جاتا ہے اور جن کو نہیں پکارا جاتا وہ داخل نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے جو مفسرین آیت کو عام مانتے ہیں وہ صرف انہی کا نام لیتے ہیں جن کو پکارا جاتا ہے جیسے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔

دوم: وہ انبیاء اور اولیاء اس آیت سے خارج ہوں گے جو شہید ہوئے ہیں کیونکہ اموات غیر احیاء فرمایا گیا تو آیت شہداء میں اموات ہونے کی نفی کر کے بل احیاء یہاں فرمایا گیا اور انہی شہداء انبیاء میں نبی کریم سے بھی داخل ہیں جیسا کہ بحث گزر چکی ہے۔

سوم: اموات غیر احیاء کا انبیاء واولیاء کے حق میں یہ معنی نہیں ہے کہ بالکل مردہ ہیں اور مردہ رہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان پر موت طاری ہوئی یا وفات پائیں گے اور معبود وہ ہونا چاہئے جو ہمیشہ سے زندہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے اور انبیاء واولیاء ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں۔ تفسیر ماجدی وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور حضرت تھانوی اور علامہ عثمانی وغیرہ حضرات کی عبارتوں میں بھی یہی اشارہ ہے اور یہ معنی لینا اس لئے بھی زیادہ درست ہے کہ

مرزائی اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا جانا (اور آسمان پر زندہ نہ ہونا) ثابت کرتے ہیں جب کہ سب اہل حق کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔

بہرصورت زیادہ سے زیادہ آیت سے ان پر وفات طاری ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں گفتگو تو وفات کے بعد کی حیات میں ہے اور اس کی نفی آیت سے ثابت نہیں ہے۔

۴...... منور صاحب کہتے ہیں۔ بخاری کی ایک طویل روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام نے آسمان میں مختلف مقامات کی سیر کرائی وہاں آپ نے اپنے سر کے اوپر معلق ایک بادل کی مثل چیز کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ آپ کا مقام ہے آپ نے اس میں جانا چاہا تو بتایا گیا کہ آپ کی عمر کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے جسے پورا کر کے آپ اسی میں آجائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ باقی حصہ پورا کر کے جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ (اس قبر کے گڑھے میں نہیں ہیں) (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۰)

جواب یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ آپ کو بیت المقدس کی سرزمین ملک شام لے گئے پھر اوپر آسمانوں کی طرف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹے آدمی کو یہ عذاب ہوتے دیکھا کہ اس کے گال پھاڑے جا رہے ہیں اور بے عمل قاری وحافظ کو دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا ہے، زانی عورتوں مردوں کو دیکھا کہ ایک تنور میں ننگے جل رہے ہیں، سود خور کو خون کی نہر میں دیکھا پھر جب وہاں سے واپس اتر چکے تو فرشتوں نے کہا اوپر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر دیکھا تو بادل کی سی چیز نظر آئی جس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ آپ کا ٹھکانہ ہے۔ الخ!

غور طلب بات یہ ہے کہ خود منور صاحب اور مماتیوں کا نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد جو سزا کا مستحق ہو وہ یا جہنم میں سزا پاتا ہے اور جزا کا مستحق علیین یا جنت میں انعام پاتا ہے اور سجین یا جہنم ساتویں زمین سے نیچے ہیں اور علیین اور جنت ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس عرش کے نیچے ہیں تو فرمائیں یہ جو عذاب ہوتے دیکھا تو کیا کہیں جہنم اوپر چلی گئی تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں زمین سے نیچے چلے گئے تھے؟ (معاذ اللہ)

ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب کی مثالی صورتیں دکھائی گئیں کہ سود خور، جھوٹے اور زانی وغیرہ کو اس طرح سزا دی جائے گی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بے عمل حافظ وقاری ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے تو جب یہ مثالی صورتیں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ٹھکانے کی بھی مثالی شکل دکھائی گئی وفات کے بعد آپ اس مکان میں پہنچ گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ٹھکانہ یا تو روضہ مبارکہ ہے جو جنت کے باغوں میں سے باغ ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
"مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة" میرے ریاض الجنۃ کی ناک اور منبر کے درمیان ہیں۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۵۳ مسلم ج ۱ ص ۴۴۶)

میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے باغ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر بھی اس میں داخل ہے تو آپ اس میں آرام فرما ہیں اور یا کوئی اور مقام دکھایا گیا جس میں وفات کے بعد آپ کی روح مبارکہ رہتی ہے لیکن یہ بھی ہمارے عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ روح مبارکہ جہاں بھی ہو اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے قوی ترین تعلق ہے جس سے جسم میں حیات ہے اور عند القبر صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ اس تعلق کا ثبوت اعادہ روح کی احادیث طیبہ سے ثابت ہے اور مذکورہ بالا روایات سے بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔

اعادہ روح کی مختصر بحث

۱...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر شخص کی روح سے متعلق فرمایا: "ثم تصیر الی القبر" پھر روح قبر کی طرف لوٹتی ہے۔ (ابن ماجہ ص ۳۱۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۵ ج ۱ ص ۱۴۰ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۱)

اس حدیث کے راوی امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور شبانہ بن سوار اور محمد بن عبد الرحمن ابن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب اور محمد بن عمرو بن عطاء قرشی عامری اور سعید ابن یسار ابو الحباب سب ثقہ و فضلاء و حفاظ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ صحابی ہیں۔

۲...... ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی روح کو فرشتے قبر میں اس کے جسم و کفن کے درمیان رکھ دیتے ہیں۔ (الروح لابن القیم ص ۷۰)

۳...... ایک روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن اور کافر دونوں قسم کے مردوں سے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ اس کی روح کو زمین کی طرف بھیجو۔ فتعاد روحه في جسده تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ (ابو داود ص ۶۵۴ ج ۲، مسند احمد ص ۲۸۷ ج ۴، ابن ابی شیبہ ص ۵۶ ج ۳، شعب الایمان ص ۳۵۶ ج ۱، کتاب الزہد والدقائق لابن المبارک ص ۳۴۷ مشکوٰۃ ص ۱۴۲)

علامہ ابن کثیر اور علامہ جلال الدین سیوطی اور امام بیہقی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ ابن القیم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح سندوں سے ثابت ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳ ۳، شرح الصدور ص ۵۱، شعب الایمان ج ۱ ص ۳۵۷ تذکرۃ الموتی والقبور ص ۷، الروح ۶۹، ۶۸)

اس حدیث کی سند کے راوی زاذان اور منہال پر منور صاحب اور مماتی جرح کرتے ہیں زاذان کا ثقہ ہونا پہلے ذکر ہو گیا ہے اور منہال بھی سچا راوی ہے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے احمد عجلی ثقہ کہتے ہیں علامہ ذہبی اس کی سند سے ایک روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔ اس کی سند صالح ہے (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۹۲) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ ہے کبھی وہم میں مبتلا ہوتا ہے۔ (لسان ص ۴۰۰ ج ۷، تقریب ج ۲ ص ۲۱۶) اور کبھی وہم میں مبتلا ہونا عیب نہیں ہے۔ (لسان ج ۱ ص ۱۷)

تو ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوا کہ ہر میت کی روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے یعنی دوبارہ جسم سے تعلق قائم کیا جاتا ہے جس سے اس میں حیات ہوتی ہے اور پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہیں اور قرآن مجید سے شہید کی جسمانی حیات ثابت ہے۔ لہٰذا یہ خواب والی روایت بھی ہمارے خلاف نہیں کوئی ایسی دلیل ضروری ہے جس سے تعلق کی بھی نفی ہو۔

چند عقلی شبہات اور دلائل

اور کئی باتیں منور صاحب نے محض منقلی کی ہیں، مثلاً

کیا خلیفہ بنانا قبر اطہر میں مردہ ہونے کی دلیل ہے؟

کہتے ہیں: (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ نہیں تھا) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں جا کر زندہ ہو جائیں گے ورنہ وہ کبھی بھی کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نہ بناتے۔

جواب: منور صاحب بتائیں کہ قرآن مجید یا حدیث نبوی میں وہ کونسی نص ہے جو یہ بتاتی ہے کہ کوئی زندہ ہو تو اس کا خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا؟ جس نص کو دیکھ کر صحابہ کرام نے یہ سمجھا ہو؟ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرمایا: اخلفني في قومي میری قوم میں آپ میرے خلیفہ ہو تو کیا موسیٰ علیہ السلام اس وقت وفات پا گئے تھے؟ اور روایات اور احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر جاتے معلوم ہوا کہ ظاہری دنیاوی زندگی بھی نیابت اور خلافت کے لئے رکاوٹ نہیں ہے تو صحابہ کرام قبر کی زندگی کو خلافت کے لئے کیسے مانع سمجھتے؟

کیا زندہ سمجھتے تو مصلے پر قدم نہ رکھتے؟

اور کہتے ہیں: ''آپ ﷺ کے منبر اور مصلے پر قدم رکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی؟''

جواب: کیوں جناب! جب نبی کریم ﷺ نے اپنی ظاہری دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا مصلے سپرد کر دیا تھا اور اس وقت آپ ﷺ کے حکم سے حضرت ابوبکر نے مصلے پر قدم رکھ کر سترہ نمازیں پڑھائیں تو آپ ﷺ کی قبر والی زندگی مصلے پر قدم رکھنے سے کیسے رکاوٹ ہوتی؟

کیا ہر مسئلہ کا حل حضور ﷺ سے معلوم کرتے؟

اور کہتے ہیں (زندہ سمجھتے تو) ہر مسئلے کا حل آپ ﷺ سے دریافت کرتے۔

جواب: دین مکمل ہو چکا تھا آپ ﷺ کی پوری زندگی صحابہ کرام کے لئے نمونہ تھی ایسا کوئی مسئلہ باقی ہی نہ تھا جس کا ذکر صراحۃً یا اشارۃً یا دلالۃً قرآن مجید یا احادیث طیبہ میں نہ ہوا ہو جس کے حل کے لئے روضہ مبارکہ پر حاضر ہونا پڑتا، جب کہ آپ ﷺ نے آخری ایام میں جب قلم دوات منگوا کر کچھ لکھوانا چاہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حسبنا کتاب اللہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ ہر مسئلہ حل ہو چکا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دیکھیں جب مسئلہ خلافت میں مہاجرین وانصار میں کچھ اختلاف رائے ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق نے حضور ﷺ کا فرمان سنا دیا۔ الائمة من قريش حکمران قریش سے ہوں گے۔

جب مدفن کے بارے میں غور ہوا تو بھی حضرت ابوبکر صدیق نے حضور ﷺ کا فرمان سنایا کہ نبی کی قبر وہیں ہوتی ہے جہاں وفات پاتے ہیں۔ جب باغ فدک کا معاملہ پیش ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا فرمان سنایا۔ لانورث ماترکنا صدقه جو کچھ ہم نے خیرات میں چھوڑا ہے اس کے وارث نہیں ہیں۔ ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بنایا کرتے جو چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ الغرض فتنہ ارتداد ہو یا زکوۃ سے انکار، مسیلمہ کذاب ہو یا اسود عنسی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت ہو یا حضرت عمر کی شہادت، جنگ جمل ہو یا صفین ہر معاملہ میں حضور ﷺ کی ہدایات بہر حال موجود تھیں اور انہی کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلتے رہے ہر جماعت نے اجتہاد کیا اور اجتہادی اختلاف آپ ﷺ کی زندگی میں بھی صحابہ کرام کے درمیان ہوئے اور اس کے بارے میں آپ کی ہدایات موجود تھیں کوئی ایسا مسئلہ تھا ہی نہیں جس میں ہدایات نہ ہوں اور محدثین کو جو مشکلات پیش آئیں جس سے ان

کو اسماء الرجال اور علوم حدیث سے متعلق محنت کرنی پڑی تو یہ آپ ﷺ کا معجزہ اور آپ کی امت کی خصوصیت ہے کسی مذہب کے اندر یہ علوم وفنون نظر نہیں آتے ایسے معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین کو زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ صدق غالب تھا بعد والوں کے لئے ضرورت ہوئی لیکن یہ کام محدثین کے ذریعہ ہونا مقدر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ کروایا اس لئے ضرورت نہیں ہوئی کہ اس کے لئے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوتے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتے بھی تو اس ذریعہ کو جناب اور جناب کے ہم خیال معتزلہ اور منکرین حیات کہاں ماننے والے تھے؟ جو محدث بیان کرتا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر فلاں حدیث کے بارے میں معلوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا واقعی میرا فرمان ہے تو معتزلی لوگ اس محدث کو جھوٹا کہتے کیونکہ اگر کسی ولی اللہ نے حاضر ہو کر روحانی ذریعہ سے معلومات حاصل کی ہیں تو جناب نے ان کا مذاق اڑایا ہے کہ بعض لوگ وہاں (روضہ مبارکہ) سے علم کے خزانے لے کر آتے ہیں جیسے شاہ ولی اللہ صاحب۔ (اسلام ص ۲۷)

تو کہئے محدثین کی بات کیسے تسلیم کرلیتے؟ جناب کہتے کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے جب تک کہ خود نبی کریم ﷺ ہمیں نہ کہیں کہ یہ واقعی میرا فرمان ہے تو اس طرح نبی کریم ﷺ کے صرف ایک فرمان کی تحقیق کے لئے بھی ہزاروں لاکھوں آدمی روضۂ مبارکہ پر حاضر ہو کر پوچھتے اور تسلی کرتے تو کیا اس طرح نبی کریم ﷺ کی گستاخی ہوتی یا ادب ہوتا؟

اور پھر کس نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور ﷺ کا دیا ہوا جواب ہر باہر والا سن سکتا ہے؟ اکثر یہی ہے کہ اکثر امتی آپ ﷺ کی طرف سے سلام جواب نہیں سن پاتے بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے سلام کا جواب سنا ہے جیسے حضرت ابراہیم بن شیبان اور سید نور الدین العفیف الایجی (نسیم الریاض ص ۵۰۲ ج ۳) اور سید احمد رفاعی اور ابوبکر دیار بکری (الحاوی للفتاوی ص ۲۶۱ ج ۲) اور امام ابوحنیفہ (فتاوی برہنہ ج ۲ ص ۱۹۲) اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی الجمعیۃ مدنی نمبر) اور حضرت حاجی امداد اللہ (اعداد الحقائق ص ۱۸) وغیرہ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدہ حیات

منور صاحب کہتے ہیں: ''کسی صحابی سے بھی بعد از وفات حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ثابت نہیں۔'' (اسلام ص ۳)

جواب: اس کی تفصیل تو شفاء السقام وغیرہ میں مل سکتی ہے مختصر طور پر چند ایک واقعات درج کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب قحط ہوا تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ استسق اللہ لامتك فانهم قد هلكوا'' یا رسول اللہ! امتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائیں کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رات کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے بارش ہونے کی خوش خبری دی اور پیغام دیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہو ہوشیار رہو، چنانچہ بارش ہوئی۔ (ریاض النضرہ ص ۲۰۳ ج ۱، منتخب کنز العمال، حاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳، روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۱۷۰، ۱۷۱) یہ روایت صحیح سند سے ثابت ہے ظاہر ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حیات اور سماع کا عقیدہ رکھتے تھے تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں جب تک میرے حجرے میں نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دفن تھے جب تک میں زیادہ احتیاط نہ کرتی تھی میں کہتی میرے آقا اور میرے والد ہی تو ہیں

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو اللہ کی قسم میں حجرے میں اس حال میں داخل ہوتی کہ اپنا لباس خوب سنبھالے ہوئے ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے۔ واللہ ما دخلته الا و انا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر" خدا کی قسم، میں اس میں داخل نہیں ہوا سوائے اپنے بالوں کو باندھ کر، اپنی عمر کی شرمندگی سے۔" (مسند احمد ج ٦ ص ٢٠٢)

ظاہر ہے کہ بے حس و بے شعور چیز سے کوئی عقلمند حیاء نہیں کرتا حیات کی قائل تھیں۔ اس لئے حیاء کرتی تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی زمین سے گھر واپس ہوتے تو راستہ میں قبرستان پڑتا تو مردوں کو سلام کرتے اور کوئی ساتھی ساتھ ہوتا تو ان کو فرماتے: "الا تسلمون علی الشهداء قیر دون علیکم"

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ ص ٢٢١، شرح الصدور ١٨٢)

شہداء کو کیوں سلام نہیں کرتے ہو، تاکہ وہ تمہیں سلام کا جواب دیں اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر خطاب کے الفاظ سے صلوۃ وسلام پڑھتے تھے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرات حیات اور سماع کا عقیدہ رکھتے تھے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

کتب احادیث میں حیات کا عنوان ہوتا تو

منور صاحب کہتے ہیں: "حدیث کی کسی کتاب میں اس قسم کا کوئی باب موجود نہیں ہے۔" (ص ٣٢)

جواب: محدثین نے اس پر مستقل رسالے اور جز تحریر کئے ہیں۔ امام بیہقی کا رسالہ حیات الانبیاء، علامہ جلال الدین سیوطی کا رسالہ انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ہے۔ ان کو جناب نے تسلیم نہیں کیا باب ہوتا تو کیسے تسلیم کر لیتے؟

امام ابن ماجہ نے، باب ذکر وفاته و دفنه صلی اللہ علیہ وسلم باندھا ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ حضرت اوس بن اوس اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہما کی حدیث: "ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" اور "فنبی الله حی یرزق" ذکر کی ہے۔ (ص ١١٧، ١١٨) جس سے واضح فرما دیا کہ وفات بھی حق ہے اور وفات کے بعد قبر اطہر میں حیات بھی حق ہے۔

بہت سے محدثین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا باب باندھا ہے لیکن جناب زیارت قبر نبوی کے منکر ہیں۔

امام بخاری نے باب باندھا کہ چارپائی پر اٹھائی ہوئی میت کی لاش بولتی ہے کہ مجھے جلد لے چلو، باب قول المیت و هو علی الجنازة قدمونی، اور باب باندھا میت جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے، باب المیت یسمع خفق النعال، امام داری نے باب باندھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت، باب رویة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام اور باب باندھا خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت رویۃ اللہ تعالیٰ فی المنام، مگر جناب اس سب کے منکر ہیں تو اگر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان ہوتا تو بھی جناب کب ماننے والے تھے؟

حیات کے لئے کیا ہوا ضروری ہے؟

منور صاحب کہتے ہیں: عقلی طور پر بھی اگر دیکھیں تو حیات فی القبر ثابت نہیں کیونکہ ہوا لازمہ حیات ہے۔ جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں منوں مٹی کے نیچے سانس کا عمل کس طرح جاری ہے۔ (اسلام ٣٣)

جواب: اگر ہوا لازم بھی ہو تو دنیاوی زندگی کے لئے لازم ہوگی لیکن کوئی نص سے ثابت ہے کہ جو چیز دنیاوی زندگی کے لئے لازم ہو وہ برزخی زندگی کے لئے بھی لازم ہو؟ پیشاب پاخانہ دنیاوی زندگی میں ہے مگر برزخی زندگی میں نہیں ہے تو کیا قرآن وحدیث میں کوئی نص ہے کہ ہوا برزخی زندگی کے لئے لازم ہے؟

گستاخی کون سی ہے؟

منور صاحب کہتے ہیں: اس سے زیادہ گستاخی کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ وارفع مقام سے اتار کر دنیوی گڑھے میں زندہ درگور متصور کیا جائے۔ (ص ۳۳)

جواب: جناب کو حضور ﷺ کی قبر اطہر محض دنیاوی گڑھا معلوم ہوتا ہے جناب کی نظر میں اس کی کوئی زیادہ وقعت اور وقار نہیں ہے حالانکہ قبر اطہر کا جسم اطہر کو مس کیا ہوا حصہ عرش وکرسی اور جنت سے اعلیٰ وارفع ہے جیسا کہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ تو فرمایئے جو جگہ عرش وکعبہ وجنت سے ارفع ہو اس سے نکال کر جنت میں رکھ دیا جائے تو اس سے زیادہ گستاخی کیا ہوگی؟ کیا ادب اسی میں ہے کہ صرف آپ کی روح مبارکہ ارفع مقام میں رکھی جائے اور جسم اطہر جنت کے بجائے بقول جناب گڑھے میں رکھ دیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا جسم اطہر روح کے تعلق سے اس روضہ مبارکہ میں ہے جو جنت سے بھی ارفع ہے اس لئے وہاں رکھنا گستاخی نہیں ہے۔

روضہ مبارکہ پر شفاعت کی درخواست

منور صاحب کہتے ہیں: مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبور کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا بھی جائز ہے کہ حضرت میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں پھر آپ کی وسیلے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۲۴)

جواب: منور صاحب مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قیامت میں گنہگار امتیوں کے لئے شفاعت فرمائیں گے لیکن انہیں اعتراض اس پر ہے کہ:

اس کے لئے ان کی قبروں پر جا کر ان کو پکارنا اور شفاعت کی دعا کرنا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ہماری دعا سن رہے ہیں کفر وشرک اور قرآن کا انکار ہے۔ (ص ۲۶)

اگر دنیاوی زندگی میں آپ سے دعائے مغفرت وشفاعت کی درخواست کرنا کفر وشرک نہ تھی تو وفات کے بعد روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر درخواست کرتا اور دعا کرانا کیوں کفر وشرک ہے؟

حضرت بلال بن حارث مزنی نے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر بارش کی دعا کی درخواست کی جیسا کہ حوالہ گزرا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا کچھ مانگ، عرض کی میں آپ سے جنت میں رفاقت مانگتا ہوں (یعنی آپ کو شفیع بناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کی رفاقت عطاء فرمائے) آپ نے فرمایا کچھ اور مانگو عرض کیا بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر میری مدد کر اپنے متعلق بکثرت سجدوں کے ذریعہ (یعنی نوافل زیادہ پڑھا کر میں تیرے لئے جنت میں اپنی رفاقت کی شفاعت کروں گا) (نسائی) تو جو کام دنیاوی زندگی میں جائز تھا وہ قبر کی زندگی میں بھی درست ہے ہرگز شرک نہیں شرک ہو تو دونوں زندگیوں میں ہو۔

قرآن مجید میں ہے: ''ولو انهم اذا ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول (الآية) ''اگر ان لوگوں نے جب جانوں پر ظلم کرلیا تھا آپ کے پاس آکر خود بھی اللہ سے مغفرت مانگتے اور آپ بھی ان کے لئے مغفرت مانگتے تو پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم۔

اگرچہ یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی لیکن الفاظ میں عموم معتبر ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید قیامت تک عمل کے لئے آیا ہے تو اگر منافق مغفرت کی دعا آپ ﷺ سے کراتے تو اللہ قبول فرما کر مغفرت فرما دیتے اور ایمان بھی نصیب فرما دیتے تو مسلمان دعاء مغفرت کرائیں تو بھی یقیناً اللہ قبول فرما کر مغفرت فرما دیں گے اور جب آپ سے دعاء مغفرت کرانا دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ذریعہ مغفرت ہے تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دعاء مغفرت کی درخواست کرنا بھی ضرور ذریعہ مغفرت ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں اور نزدیک سے سنتے ہیں۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے: ''واستشفع به فیشفعک الله تعالیٰ قال الله تعالیٰ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية'' انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، آیت (اے زیارت کرنے والے) نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کر کہ وہ تیری لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم'' (خلاصۃ الوفاء ص ۵۳ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)

علامہ نور الدین سمہودی فرماتے ہیں: زیارت کرنے والا کہے یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں فرمایا ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية اور میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اپنی جہالت وغفلت سے بڑا گناہ کیا اب میں آپ کی زیارت کو آیا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے پناہ چاہتا ہوں اور اپنے گناہ کی مغفرت چاہنے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ سے سوال ہے کہ آپ میرے رب کے پاس میری شفاعت فرمائیں اور آپ گنہگاروں کے شفیع ہیں۔

عبارت کے الفاظ یہ ہیں: ثم یقول یارسول الله ان الله تعالیٰ قال فیماانزل علیک ولوانهم اذ ظلموا انفسهم وقدظلمت نفسی واتیت بجهلی وغفلتی امرا کبیرا وقد وفدت علیک زائرا وبک مستجیرا و جئتک مستغفرا من ذنبی سائلاً منک ان تشفع لی الی ربی وانت شفیع المذنبین الخ

(خلاصۃ الوفاء ص ۵۹)

مولانا عبدالقادر فاکہی مکی (۹۸۲ھ) فرماتے ہیں۔ شوافع علماء نے مستحسن قرار دیا ہے کہ زیارت کرنے والا سلام کے بعد عرض کرے یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية اور میں آپ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہوا آپ کو رب کے ہاں سفارشی بناتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔

(حسن التوسل برحاشیہ خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۴)

علامہ حسن بن عمار بن علی حنفی (م ۲۹ھ) فرماتے ہیں: روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے والا کہے، ہم آپ کے پاس دور دراز شہروں اور جگہوں سے دشوار گزار راستے طے کر کے آپ کی زیارت کے ارادے سے آئے ہیں تاکہ آپ کی شفاعت کے ذریعہ کامیاب ہوں اور آپ کے مبارک نشانات دیکھیں اور آپ کے کچھ حقوق ادا کریں اور

آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفیع بنائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآیة اور ہم بھی اپنی جانوں پر ظلم کر کے آئے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں تو آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ہمیں آپ کی سنت پر موت دے اور آپ کی جماعت میں شامل فرمائے۔

(نور الایضاح ص ۱۹۱، مراقی الفلاح ص ۱۹۳)

علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: زیارت کرنے والا عرض کرے یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس اپنی جانوں پر ظلم کر کے آئے ہیں اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤوف اور رحیم رکھا ہے تو جو بھی آپ کے پاس اپنی جان پر ظلم کر کے حاضر ہو اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اپنے رب کے سامنے توبہ کرے آپ اس کے لئے شفاعت فرمائیں۔ (ما ثبت بالسنہ ص ۶۴)

عقیدہ عرض اعمال

حیات اور سماع کی بحث کے ضمن میں منور صاحب عرض اعمال کے متعلق لکھتے ہیں۔ اب رہا یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ پر صبح و شام امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں (نشر الطیب) تو یہ اللہ کے حق پر ڈاکہ ہے اور مذکورہ بالا روایت منقطع، مجہول موضوع اور متصادم القرآن ہے اوپر کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اعمال اللہ ہی کے پاس جاتے ہیں نبی کے پاس نہیں۔ الخ! (اسلام یا مسلک پرستی ص ۳۹)

جواب: رسول اللہ ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہونے کے بارے میں مختلف روایات مرفوعہ اور موقوفہ مروی ہیں۔

۱...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا فرمان حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم وفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم الخ۔ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم گفتگو کرتے ہو اور تم سے (میری زبان مبارک سے) باتیں کی جاتی ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۶ بحوالہ مسند بزار)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بحوالہ مسند بزار ان الفاظ میں روایت بیان کی ہے (اور فرمایا کہ اس کے راوی بخاری شریف کے راوی ہیں) خدا تعالیٰ کی زمین پر چلنے والے کچھ فرشتے ہیں جو مجھ تک میری امت کے اعمال پہنچائیں گے جو ایک عمل ہوگا اس پر شکر کروں گا اور جو برا عمل دیکھوں گا تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔ (مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۵۷۶)

۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور تم سے ہم باتیں کرتے ہیں اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے۔ (القول البدیع ص ۱۶۵ بحوالہ مسند حارث)

۳...... حضرت بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور مجھ سے باتیں ہوتی ہیں اور جب میں فوت ہو جاؤں گا میری وفات تمہارے لئے بہتر ہوگی

کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔ الخ! (الوفاء لابن جوزی ص ۸۰۹ کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۸۳ بحوالہ ابن سعد)

۴...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اعمال امتی تعرض علی فی کل یوم جمعہ۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۹۳ کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۶) میری امت کے اعمال مجھ پر ہر جمعہ کو پیش ہوں گے۔

۵...... حضرت عبدالغفور بن عبدالعزیز عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ و تعرض علی الانبیاء وعلی الاباء والامهات یوم الجمعۃ الخ!

(کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۹۵ بحوالہ نوادر الاصول حکیم ترمذی)

پیر اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش ہوتے ہیں اور جمعہ کے دن انبیاء اور آباء امہات پر پیش ہوتے ہیں۔

اس روایت سے واضح ہو گیا کہ اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی پیش ہوتے ہیں اور انبیاء اور والدین پر بھی تو یہ اللہ تعالیٰ کے حق پر ہرگز ڈاکہ نہیں۔

اور یہ عرض اعمال حضور ﷺ کی اس حدیث کے بھی خلاف نہیں ہے کہ حوض کوثر پر اہل بدعت و مرتدین حاضر ہوں گے تو فرشتے ان کو ہٹا دیں گے حضور ﷺ فرمائیں گے ان کو آنے دو میرے امتی اور ساتھی ہیں فرشتے کہیں گے: "انک لاتدری ما احدثوا بعدک" آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نیا ایجاد کیا تھا۔

وجہ یہ ہے کہ امت کے اعمال کی پیشی اجمالی ہوتی ہے تفصیلی طور پر نہیں ہوتی کہ ہر آدمی کے ایک ایک عمل کی پیشی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر بدعات کا بتلایا بھی جاتا ہو اور یہ بھی کہ فلاں فلاں نے بدعات کیں لیکن ہر شخص کی ذات کی پہچان نہ ہو۔

منور صاحب کہتے ہیں: عرض اعمال شیعہ کا عقیدہ ہے سنی دیوبندی ان کو کافر بھی کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ بھی اختیار کیا ہوا ہے۔ (اسلام ص ۳۹،۳۸)

جواب: شیعہ اور سنی عقیدہ میں فرق ہے شیعہ کے نزدیک تفصیلاً پیش ہوتے ہیں۔ اہلسنت کے نزدیک اجمالاً پیشی ہوتی ہے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک عقیدہ اہلسنت کا ہو اور اس کو شیعہ اختیار کر لیں تو وہ عقیدہ شیعہ کے اختیار کرنے سے غلط ہو جاتا ہے؟

عام مردوں پر اعمال کی پیشی

جس طرح نبی کریم ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اسی طرح رشتہ دار مردوں پر بھی زندوں کے اعمال پیش ہونے کا ذکر روایات میں آیا ہے۔

۱...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام دیلمی و ابن ابی الدنیا وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لاتفضحوا امواتکم لبسیئات اعمالکم فانها تعرض علی اولیائکم من اهل القبور" اپنے بد اعمال سے اپنے مردوں کو شرمندہ نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں پر پیش ہوتے ہیں۔

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۸۸، احیاء العلوم عربی ج ۴ ص ۴۷۵، شرح الصدور ص ۲۲۶)

۲...... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ فی اخوانکم من اھل القبور فان اعمالکم تعرض علیھم'' اپنے مردہ بھائیوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہ تمہارے اعمال ان پر پیش ہوتے ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۲۷۵ شرح الصدور ص ۲۲۶ شعب الایمان ج ۷ ص ۲۶۱ مستدرک حاکم ۵۲۲۸)

۳...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات الخ!'' تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ رشتہ داروں اور خاندان والوں پر پیش ہوتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵ منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۶، شرح الصدور ص ۲۲۵)

۴...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں واہل خاندان پر قبروں میں پیش ہوتے ہیں۔ (مسند ابوداؤد ترجمہ طیالسی ج ۱ ص ۱۸۵)

۵...... حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا فرمان مروی ہے۔ تمہارے اعمال آخرت میں پہنچے ہوئے رشتہ داروں اور اہل خاندان پر پیش ہوتے ہیں اچھے اعمال ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ الخ!
(کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۸۸، معجم طبرانی اوسط نے روایت کیا)

۶...... حضرت ابوہریرہ وابودرداء رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں پر پیش ہوتے ہیں۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۱۸، الزہد از ابن المبارک ص ۴۴۸، شرح الصدر ص ۳۲۶)

علماء امت کا عقیدہ

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ''وابلغ من ذلک ان المیت یعلم بعمل الحی من اقاربہ واخوانہ قال عبداللہ بن المبارک حدثنی ثور بن یزید عن ابراھیم عن ابی ایوب قال تعرض اعمال الاحیاء علی الموتی الخ! (الروح ص ۱۳)

اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ میت اپنے زندہ رشتہ داروں اور بھائیوں کے عمل سے واقف ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن مبارک بسند متصل حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش ہوتے ہیں۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس عقیدہ پر مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ باب اعمال زندگان بر اقربائے مردہ عرض کردہ میشود۔ باب اس بیان میں کہ زندوں کے اعمال مردہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الموتی والقبور ۳۰)

علامہ نورالدین سمہودی فرماتے ہیں: ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد امتیوں کے لئے مغفرت کی دعا نہیں کرتے کیونکہ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور جب امتیوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

عبارت کے الفاظ یہ ہیں: مع انا لانسلم انہ لایستغفر لھم بعدالموت لماسبق من حیاتہ واستغفارہ لامتہ عند عرض اعمالھم۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)

علامہ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: واعمالھم معروضة علیه" "امتیوں کے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔" (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۸۰)

علامہ محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:فان اعمال امته علیه الصلوة والسلام تعرض علیه بعدموته فقد روی عنه ﷺ انه قال حیاتی خیرلکم تحدثون ویحدث لکم ومماتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم فمارأیت من خیر حمدت الله تعالیٰ علیه ومارأیت من شر استغفر الله تعالیٰ لکم بل جاء ان اعمال العبدتعرض علی اقاربه من الموتی الخ! (روح المعانی ج ۱۴ ص ۲۱۳)

آپ ﷺ کی امت کے اعمال آپ ﷺ پر وفات کے بعد پیش ہوتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور تم سے ہماری گفتگو ہوجاتی ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے میں جو نیکی دیکھوں گا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گا اور جو برائی دیکھوں گا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگوں گا۔ بلکہ یہ بھی آیا ہے کہ بندہ کے اعمال اس کے مردہ رشتہ داروں پر بھی پیش ہوتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: "عرض اعمال حضور ﷺ پر ثابت ہے۔"
(قصص الاکابر ص ۲۴۴، حسن العزیز ج ۲ ص ۱۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی حضور ﷺ پر عرض اعمال کے قائل ہیں۔
(تفسیر عثمانی ص ۳۵۸، معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲۰، ۴۲۱)

قبروں سے فیض، قبر کی زندگی اور سماع موتی

منور صاحب کہتے ہیں: المہند کے صفحہ ۲۲۷ پر درج ہے مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض کا پہنچنا سو بے شک صحیح ہے مگر اس طریقے سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے نہ کہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۴۰، ۴۱)

اس کے بعد منور صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ ہے قبروں سے فیض حاصل کرنے والے اہل قبور کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں۔

۲...... مردوں میں سننے کی طاقت نہیں تو ان سے فیض کسی طرح حاصل ہوسکتا ہے؟

۳...... اس قبروں سے فیض کی بنیاد حیات فی القبر کا شرکیہ عقیدہ ہے حالانکہ قبر میں کوئی حیات نہیں اور ہر مردہ مٹی ہوجاتا ہے۔

جواب: منور صاحب کی اس تحریر کے مطابق اگر قبر میں حیات ہو اور مردوں میں سننے کی طاقت ہو تو فیض حاصل کیا جاسکتا ہے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے انہی نکات پر گفتگو کرنا مناسب ہے۔

قبر کی زندگی

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ قبر کے اندر جسم عنصری میں روح کے تعلق سے زندگی ثابت ہے اس کے کئی دلائل ہیں۔

اوّل عذاب قبر کے بارے میں وارد متواتر احادیث ہیں جو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں:

(۱) براء بن عازب (۲) ابوہریرہ (۳) ابوسعید خدری (۴) انس بن مالک (۵) عبداللہ ابن عباس (۶) ابوبکرہ (۷) زید بن ثابت (۸) عبداللہ بن مسعود (۹) قیس الجذامی (۱۰) ابو ایوب انصاری (۱۱) مقدام بن معد یکرب (۱۲) عبداللہ بن عمرو (۱۳) جابر بن عبد اللہ (۱۴) یعلی بن مرہ (۱۵) ابو رافع (۱۶) عبد اللہ بن عمر (۱۷) حذیفہ (۱۸) ابوامامہ (۱۹) عوف بن مالک (۲۰) علی المرتضی (۲۱) سلمان (۲۲) عمر (۲۳) مغیرہ بن شعبہ (۲۴) حسن (۲۵) عمرو بن صہیب (۲۶) عبادہ بن صامت (۲۷) سعد بن ابی وقاص (۲۸) حکم (۲۹) عثمان بن ابی وقاص (۳۰) زید بن ارقم (۳۱) ام مبشر (۳۲) عائشہ (۳۳) ام سلمۃ (۳۴) میمونہ (۳۵) ام خالد (۳۶) ام حبیبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

یہ روایات متواترہ جس طرح قبر و راحت قبر کی دلیل ہیں ایسے ہی قبر میں حیات کی دلیل ہیں۔ کیونکہ عذاب قبر جس جرم پر ہو وہ روح و جسم مل کر کرتے ہیں اکیلا روح نہیں کرتا ورنہ جسم میں داخل ہونے سے پہلے بھی کرتا اور اس پر بھی جزا و سزا ہوتی۔ حالانکہ جسم میں داخل ہونے کے بعد بھی بالغ ہونے تک سزاء جزا نہیں ہے تو جسم میں داخل ہونے سے پہلے کس طرح ہو اور اگر دو آدمی مل کر قتل کریں یا چوری کریں تو عدالت اسلامی (جو دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم نافذ کرنے والی ہے) دونوں کو قاتل اور چور ٹھہرائے گی اور شرعی سزا ان دونوں پر نافذ کرے گی نہ کہ ایک پر تو روز محشر عدالت الہیہ میں بھی انصاف ہوگا ظلم نہ ہوگا۔ چنانچہ:

امام دار قطنی اور ابن مندہ وغیرہ محدثین نے حضرت ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

قیامت کے دن سب لوگوں میں جھگڑا ہوگا۔ حتیٰ کہ روح بھی جسم سے نزاع کرے گی اور کہے گی تو نے جرم کیا جسم کہے گا تو نے حکم دیا تھا تو نے بدعمل خوبصورت بتلایا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کے لئے ایک فرشتہ بھیجیں گے وہ کہے گا تم دونوں کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک لنگڑا نابینا آدمی ہو دوسرا چل پھر سکنے والا نابینا دونوں ایک باغ میں داخل ہوں لنگڑا نابینے کو کہے مجھے پھل نظر آرہے ہیں لیکن وہاں تک میری پہنچ نہیں ہے۔ نابینا کہے میرے اوپر سوار ہو جا اور پھل توڑ (اور دونوں مل کر کھائیں گے) اس طرح تدبیر کر کے پھل توڑے (مثلاً مالک آپہنچا) اب تم بتاؤ ان دونوں میں سے کون مجرم ہوگا؟ روح و جسم دونوں کہیں گے کہ دونوں مجرم ہیں فرشتہ کہے گا اب تم نے اپنے بارے میں خود فیصلہ دے دیا (کہ روح اور بدن دونوں مجرم ہیں) جسم کے لئے بمنزلہ سوار کے ہے اور جسم بمنزلہ سواری کے ہے۔

عبارت کے الفاظ اس طرح ہیں: تختصم الروح مع الجسد فتقول للجسد انت فعلت ویقول الجسد للروح انت امرت وانت سولت فیبعث اللہ تعالی ملکا یفصل بینهما فیقول لهما ان مثلکما کمثل رجل مقعد بصیر والآخر ضریر دخلا بستانا فقال المقعد للضریر انی اری ههنا ثمارا ولکن لا اصل الیها فقال له الضریر ارکبنی فتناولها فارکبه فتناولها فایهما المعتدی فیقولان کلاهما فیقول لهما الملک فانکما قد حکمتما علی انفسکما (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۳ روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۶۵ شرح الصدور)

تو جب قیامت کبری میں روح و جسم دونوں جزا و سزا کے مستحق ہوں گے تو قیامت صغری عالم برزخ و قبر میں ایک جزا و سزا کا مستحق کیوں ہوگا؟ کہ روح اکیلا سزا پائے یا جنت کے پھل کھائے سیر و تفریح کرے خوش و خرم ہو اور جسم قبر میں بے حس و بے شعور پڑا رہے؟ لہٰذا روح و جسم دونوں کو سزا و جزا ہوگی اور ظاہر ہے کہ قبر میں پڑا ہوا جسم

بغیر حیات سزا و جزا محسوس نہیں کرسکتا تو اس میں شعور و ادراک پیدا کرنے کے لئے روح کا تعلق قائم کیا جائے گا ورنہ بغیر حیات جسم کو سزا دینا ایسے ہوگا جیسے کوئی عقلمند سزا کے لئے دیوار کو ڈنڈے مارنا شروع کردے الغرض عذاب قبر کی احادیث قبر کی حیات کی دلیل ہیں۔

دوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "والذي نفسي بيده انهم ليعذبون في قبورهم حتى تسمع اصواتهم البهائم الخ!" اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے یہاں تک کہ ان کی آوازیں چوپائے بھی سنتے ہیں۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۴۲ مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۵ و ۲۰۶)

حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "انهم يعذبون في قبورهم عذاب يسمعه البهائم" مردوں کو قبروں میں ایسے سزا ہوتی ہے جس کو چوپائے بھی سنتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۲، منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰ بحوالہ طبرانی، الروح ص ۷۵) اسی قسم کی روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

(منتخب کنز العمال ج ۶ ص ۲۷۰)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر چوپائے بھی سنتے ہیں واضح بات ہے کہ چوپائے زمین پر رہ کر جسموں کی چیخوں کی آوازیں سنتے ہیں اور جسم میں حیات ہو تو تب ہی آواز کرسکتی ہے اور چیخ سکتی ہے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۸) میں ہے کہ کافر و منافق کو فرشتے دو کانوں کے درمیان لوہے کا گرز اس طرح مارتے ہیں کہ وہ چیختا ہے جو چیخ جن وانس کے سواء نزدیک کی ہر چیز سن سکتی ہے۔ منور صاحب فرمائیں کہ یہ دو کان کس کے ہوتے ہیں؟ یہ چیخ و پکار کس کی ہوتی ہے؟ جس کو جن وانس کے سوا ہر چیز سن سکتی ہے؟ مولانا احمد علی سہارنپوری فرماتے ہیں: "صوت الميت يسمعه كل شيء" (حواشی بخاری ج ۲ ص ۹۴۲) یعنی میت کی آواز ہر چیز سنتی ہے۔

اور ظاہر ہے جس پر موت آئی وہ جسم ہے تو جب عذاب میں مبتلاء کافر و منافق کے حیات ہوگی۔ جسم میں حیات ثابت ہوئی تو جس مؤمن کو راحت وثواب ہو اس کے جسم میں بطریق اولی حیات ہوگی۔

سوم: بکثرت احادیث نبویہ میں ہے کہ مردے سنتے ہیں اور سننا بغیر جسمانی حیات کے نہیں ہوسکتا تو سننے کی احادیث بھی حیات کی دلیل ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "العبد اذا وضع في قبره وتولى وذهب اصحابه انه يسمع قرع نعالهم" بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس ہونے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی کھٹکاہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴، نسائی ج ۴ ص ۹۷، سنن بیہقی ج ۴ ص ۸۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۷، ۴۴۵، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ میت کے دفن کرنے کے بعد جب لوگ جانے کے تو ہی کریم ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "انه الآن يسمع خفق نعالكم" وہ میت جو ابھی تمہارے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی نے روایت کی ہے

کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ان المیت اذا دفن سمع خفق نعالھم'' (منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ٦ ص ۲۵۹) یعنی میت جب دفن ہوجائے تو لوگوں کی قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر عنوان قائم کیا کہ: ''باب المیت یسمع خفق النعال'' یعنی باب اس بیان میں کہ میت جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے اور ابھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کیا کہ تمہارے جوتوں کی کھسکاہٹ کی آواز سن رہا ہے۔ اس سے بات واضح ہے اس لئے اس حدیث کی جو تاویلیں کرتے ہیں کہ یُسمع فعل مجہول ہے یا فرشتوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ مراد ہے جیسے عثمانی نے تاویل کی یہ محض بے دلیل ہے محدثین اس دلیل کو نہیں مانتے۔
چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوت نعال الاحیاء (ارشاد الساری ج ۲ ص ۳۵۵) مردہ زندوں کی جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ: حقق نعال الاحیاء (عمدۃ القاری ص ۱۵۷ ج ۴) زندوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے۔ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ: قرع نعال المشیعین له (الروح ص ۱۰) دفن میں شریک ہونے والوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: صوت مباشری دفته (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۳۶۱) دفن میں حصہ لینے والوں کی جوتوں کی آواز بہر حال اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قبر میں دفن ہوتے ہی روح کا جسم سے دوبارہ تعلق قائم ہوجاتا ہے جس سے اس میں زندگی آجاتی ہے اور وہ جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے۔
چہارم: نبی کریم ﷺ نے اہل قبور کو سلام کی تعلیم دی ہے اور اس میں خطاب ہوتا ہے یہ خطاب اور سلام بغیر حیات اور سماع کے نہیں ہوسکتا تو سلام کی تعلیم والی احادیث بھی حیات اور سماع کی دلیل ہیں۔
علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ نبی کریم ﷺ سے حضرت ابورزین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا گزر قبرستان سے ہوتا ہے تو جب گزرا کروں تو کوئی بات کیا کروں؟ فرمایا: ہاں! کہا کہ: السلام علیکم۔ الخ! عرض کیا یا رسول اللہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا ہاں سنتے ہیں لیکن جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔
علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور آلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یعنی ایسا جواب نہیں دے سکتے کہ تم سن سکو۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸ شرح الصدور ص ۱۷٦) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ قبرستان سے گزرتے ہوئے ساتھیوں سے فرماتے کہ ان شہداء کو کیوں سلام نہیں کرتے ہوتا کہ وہ تمہیں سلام کو جواب دیں۔ (ابن شیبہ ص ۲۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ احد سے واپس ہوتے ہوئے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے مقرب ہو ان کی زیارت کیا کرو اور سلام کہا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی ان کو سلام کرے گا یہ سلام کا جواب دیں گے۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۵ شرح الصدور احکام القرآن مفتی محمد شفیع ج ۳ ص ۱۷۷)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام ابن عبد البر نے اپنی صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو آدمی بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور مردہ اس کو دنیا میں پہچانتا ہو تو گزرنے والا سلام کرے تو مردہ آواز سے اس کو پہچان لیتا ہے کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ مامن احد مر بقبر اخیه المومن کان یعرفه فی الدنیا فسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۱۸۵ طبع بیروت)

علامہ ابن القیم اور ابن کثیر فرماتے ہیں: وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ذالك لكان ھذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدوم والجماد (الروح ص ۱۰، ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸) یہ سننے اور سمجھنے والے سے خطاب ہوتا ہے اگر میت سننے اور سمجھنے والا نہ ہو تو یہ خطاب جماد (پتھر) اور معدوم سے خطاب جیسا ہوگا۔ (اور معدوم سے خطاب کرنا بداہۃ جہالت وحماقت ہے)

مولانا عبدالقادر رافعی حنفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ان سمع الموتی الکلام الاحیاء متحقق ولولا ذالك لما كان لقوله علیه الصلوة والسلام السلام علیكم دار قوم مؤمنين۔ (تحریر المختار لرد المختار ج ۲ ص ۳۳ طبع مصر)

مردوں کا زندوں کی کلام سننا ثابت ہے ورنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان: السلام علیکم دار قوم مؤمنین کہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے یعنی فضول کلام ہے۔ (معاذ اللہ) علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''فیقتصر علی القول بسماع ما ورد السمع بسماعه من السلام ونحوه وھذا الوجه ھو الذي یترجح عندی'' (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸) جس چیز کے سننے سے متعلق روایات وارد ہوئی ہیں یعنی سلام اور اس جیسی چیزیں (جوتوں کی آہٹ وغیرہ) انہی کے ہی سننے کا قول کریں گے یہی صورت ہی میرے نزدیک راجح ہے۔

اور فرماتے ہیں: ''وعول بعض المحققین علی ان الارواح حیث كانت لها اتصال لایعلم حقیقة الا الله تعالی وبذالك ترد السلام وتعرف المسلم ویعرض علیه مقعدها من الجنة والنار'' (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱) بعض محققین کا یہ اعتقاد ہے کہ روحیں جہاں کہیں بھی ہوں ان کا جسموں سے تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے میت سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور سلام کرنے والے کو آواز سے پہچانتا بھی ہے۔ اگر دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کا جنت یا دوزخ کا ٹھکانہ بھی اس کے سامنے کیا جاتا ہے۔

منکرین کہتے ہیں کہ سلام محض دعا ہے جس کا میت کے لئے سننا ضروری نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ بے شک دعا ہے مگر خطاب بھی ہے اگر صرف دعا ہی ہوتا تو جس طرح دعا کے بدلہ میں دعا دینا ضروری نہیں ایسے ہی سلام کا جواب دینا ہم زندوں پر بھی واجب نہ ہوتا۔ الغرض جب میت سلام سنتا ہے اور جواب دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں تعلق روح سے زندگی ہوتی ہے۔

پنجم: حضرت عمرو بن حزم (یا عمارہ بن حزم) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک قبر سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''لا تؤذ صاحب ھذا القبر'' اس قبر والے کو تکلیف نہ دے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۴۹ بحوالہ مسند احمد، شرح معانی آثار ج ۱ ص ۲۹۶ منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۵)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ اور مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۰۰۷، التعلیق المجد علی المؤطا ص ۱۷۲) اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تجلسوا علی القبور'' (مسلم ص ۳۱۲ ج ۱، ابوداؤد ص ۴۶۰ ج ۲، ترمذی ص ۱۵۷) قبروں پر نہ بیٹھا کرو اور فرمایا: کسر عظم المیت ککسرہ حیا (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸، ابن ماجہ ص ۱۱۶، موطا ص ۲۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۵) میت کی ہڈی توڑنا اس کی زندگی میں ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔

محدث ابن الملک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اشارة الی ان المیت یتألم (مرقات) اشارہ ہے کہ میت کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ میں برابر ہیں لیکن دونوں باتوں میں تعارض نہیں گناہ میں بھی برابر ہیں اور تکلیف ہونے میں بھی برابر ہیں اور ظاہر ہے کہ تکلیف کا احساس تب ہوسکتا ہے جب اس

میں حیات ہو تو اس سے بھی قبر میں حیات ثابت ہوئی۔

ششم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں منکر نکیر وہ سوال کرتے ہیں۔ مومن صحیح جواب دیتا ہے تو اس کی قبر ستر در ستر گز وسیع کردی جاتی ہے اور منور کردی جاتی ہے اور منافق ہو تو کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا تو زمین کو حکم ہوتا ہے۔ اس پر سمٹ جا تو زمین تنگ کردی جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں وہ قیامت کے دن اٹھنے تک قبر میں سزا پاتا رہے گا۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: فیقال للارض التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف اضلاعه فلایزال فیھا معذبا حتی یبعثه الله من مضجعه ذالک (اور مومن سے متعلق لفظ ہیں) ثم یفسح له فی قبره سبعون ذراعاً فی سبعین ثم ینور له فیه الحدیث (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷، الروح ص ۷۸)

قبر کی زمین یہی قبرستان والی ہے اور پسلیاں جسم عنصری کی ہیں یہ حدیث صحیح دلیل ہے کہ جسم عنصری اور بدن کو بھی عذاب ہوتا ہے (الروح ص ۷۸) اور جب تک اس میں حیات نہ ہو جسم عنصری کیسے عذاب پا سکتا ہے؟ تو یہ متفرق روایات قبر میں حیات کی واضح دلیل ہیں اور جب فیض از قبور کا مدار آپ کے نزدیک حیات اور سماع پر ہے تو دونوں باتیں ثابت ہو گئیں تو فیض از قبور میں بھی کوئی اشکال نہ رہا۔

ہفتم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے نقشتھم الرحمة وتنزلت علیھم السکینة (ابن ماجہ ص ۲۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں سے متعلق فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کردی تو ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں شخص بھی تھا جو ان میں سے نہیں مگر اپنی حاجت کے لئے آیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے اہل مجلس ہیں کہ ان کا ہم مجلس بھی محروم نہیں ہوتا۔ (میں نے اس کو بھی بخش دیا) (بخاری ج ۲ ص ۹۴۸)

معلوم ہوا کہ اللہ والوں پر رحمت اور سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان کا ہم مجلس بھی محروم نہیں رہتا اس لئے جو صاحب نسبت ہوں ان کو بزرگوں کی قبروں سے بھی فیض حاصل ہوتا ہے لیکن جو صاحب نسبت نہ ہوں ان کو فیض حاصل ہونا مشکل ہے جیسے عطار کے پاس بیٹھنے والا صاحب نسبت نہ ہو تو اس کے سر میں درد ہونے لگتا ہے اور عوام نے جو فیض سمجھ رکھا ہے وہ غلط سمجھا ہے مثلاً اس مردہ سے مرادیں مانگنا، حاجتیں اس کے سامنے پیش کرنا، مشکلات کا حل چاہنا، وغیرہ! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے قبر پر خیمہ گاڑ دیا اس کو معلوم نہ تھا کہ قبر ہے تو وہاں نیچے سے سنا کہ ایک آدمی ہے جو سورہ ملک پڑھتا ہے اور ختم کرتا ہے وہ صحابی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا قصہ عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت عذاب سے بچانے والی اور رکاوٹ ہے جس نے اس کو عذاب قبر سے نجات دلائی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۲، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۶، مشکوۃ ص ۱۸۸، ۱۸۷)

اسی کا نام فیض اور کشف قبور ہے اور اس حدیث سے فیض کے ساتھ قبر کی زندگی بھی ثابت ہے۔ الغرض! کوئی آیت مبارکہ یا حدیث نبوی فیض کے خلاف نہیں ہاں عوام کو فساد اعتقاد کی وجہ سے بطور سد باب علماء منع کرتے ہیں۔

منور صاحب کے دلائل

منور صاحب نے اس موضوع پر کچھ شبہات اور دلائل پیش کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ مثلاً آیت: انک لاتسمع الموتی وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تو یہ ہے کہ قبروں میں پڑے ہوئے تو سن بھی نہیں سکتے۔ ''وما انت بمسمع من فی القبور (سورہ فاطر) اور تم انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔

جواب: اس آیت کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

اوّل: یہ ہے کہ پوری آیت اس طرح ہے: ان اللہ یسمع من یشاء وماانت بمسمع من فی القبور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے اور آپ قبروں میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے سنانے کا اور نبی کریم ﷺ کے نہ سنانے کا ذکر ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مردوں کو سنانا نبی یا غیر نبی کسی انسان کا کام نہیں اللہ تعالیٰ ہی سناتے ہیں اور مردے اللہ تعالیٰ کے سنانے سے کہنے والے کی بات سنتے ہیں بلکہ مردے تو کیا ہم زندہ لوگ بھی اللہ ہی کے سنانے سے سنتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نہ سنائے تو ہم زندہ بھی نہیں سن سکتے لیکن آیت سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ مردے سنتے بھی نہیں جیسے آدمی کسی کو کوئی بات سمجھائے مگر نہ سمجھا سکے تو کہے میں تجھے نہیں سمجھا سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مخاطب سمجھ سے عاری ہے اس میں عقل وفہم نہیں ایسے ہی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ نبی جو قبروں میں پڑے ہوں ان کو نہیں سنا سکتے تو ان میں سننے کی طاقت نہیں کیونکہ سنانے کی نفی ہے سننے کی نفی نہیں ہے۔

دوم: جو کام نبی کریم ﷺ نے کیا ہو یا کرنے کا ارادہ کیا ہو اسی کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایات دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو وعظ ونصیحت سنانے کا عمل کبھی نہیں کیا نہ اس کا ارادہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ آپ قبروں میں پڑے ہوؤں کو وعظ ونصیحت نہیں سنا سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں وہی مردے مراد ہیں جن کو آپ ﷺ نے وعظ ونصیحت کی یا ارادہ کیا اور وہ حقیقی مردے نہیں بلکہ دل کے مردے یعنی جہالت کے گڑھوں میں پڑے ہوئے کافر مردے ہیں۔

چنانچہ علامہ جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ: وما انت بمسمع من فی القبور أی الکفار شبھھم بالموتی (جلالین) آپ نہیں سنا سکتے قبروں میں پڑے ہوؤں کو یعنی کافروں کو اللہ تعالیٰ نے ان کو مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ: ترشیح لتمثیل المصرین علی الکفر بالاموات''

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۸۶)

کفر پر ہٹ دھرمی کرنے والوں کو بطور استعارہ ترشیحیہ مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''وایضا الایۃ فی الکفرۃ'' (حاشیہ علی النسائی ص ۱۱ ج ۴ طبع بیروت)

آیت کافروں کے بارے میں ہے اور ظاہر ہے کہ کافر سنتے تو تھے لیکن یہاں ان کو سنانے کی نفی کی گئی ہے جب کہ دوسری کئی آیات میں ان کے سننے کی بھی نفی ہے۔ مثلاً: وفی اذانھم وقرأان کے کانوں میں ڈاٹ ہے۔ (انعام ص ۳۵۱) وہ خود بھی کہتے ہیں کہ: وفی اذاننا وقر ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے۔ (حم سجدہ: ۵۱) اور ولھم اذان لایسمعون بھا ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں۔ (اعراف: ۱۷۹) صم بکم عمی فھم لا یعقلون بہرے گونگے واندھے ہیں۔ (بقرہ ۱۷۱، ۱۸) کافر اندھے اور بہرے ہیں اور مومن بینا اور سننے والا۔ (ھود ۲۴) ماکانوا

یستطیعون السمع '' سن نہیں سکتے تھے۔ (ھود ۲۰) کانو الایستطیعون سمعا سن نہیں سکتے تھے۔ (کہف: ۱۰۱) فھم لا یسمعون وہ سنتے نہیں تھے۔ (حم سجدہ ۴) اس نہ سننے سے مراد مفید اور نفع مند نہ سننا ہے تو کافروں کو جو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ جس طرح مردے سنتے تو ہیں لیکن اب ان کو وعظ ونصیحت سنانا مفید نہیں۔ کیونکہ کافر مردے ایمان نہیں لا سکتے اور فاسق و بے عمل عمل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ضدی کافروں کو سنانا بھی مفید نہیں کہ وہ بھی اپنے ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لا سکتے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

منور صاحب لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آ کر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے قبر والو تم کو کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہوا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ قبر والوں نے کچھ جواب دیا؟ وہ بولا کہ نہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر کہا تجھ پر پھٹکار تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب ہی دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہی ہیں اور نہ ہی آواز سن سکتے ہیں۔ پھر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: '' و ما انت بمسمع من فی القبور '' (تفہیم المسائل ص ۱۷۲)

جواب: منور صاحب نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے یعنی تفہیم المسائل نہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے نہ ان کے کسی شاگرد نے لکھی ہے نہ کسی حنفی بزرگ نے لکھی ہے غیر حنفی، غیر مقلد مولانا بشیر الدین قنوجی نے لکھی ہے یہ واقعہ غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوتا تو امام صاحب کے کسی شاگرد کو معلوم ہوتا یا کتب فقہ حنفیہ میں نقل ہوتا جب کہ علماء کرام احناف فرماتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی کے بارے ہیں امام صاحب سے کوئی تصریح منقول نہیں اور جو نقل ہیں وہ شاذ ہیں۔

(فتاوی رشیدیہ ص ۲۲۷، فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۱ فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷ وغیرہ)

نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے

منور صاحب نے وہ آیات بھی لکھی ہیں جن میں ہے کہ نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک ومختار اور نفع ونقصان کا مالک ہے نبی ہو یا غیر نبی نفع ونقصان کے مالک نہیں جو حضرات فیض کے قائل ہیں وہ جس طرح اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں اسی طرح زندوں سے بھی فیض کے قائل ہیں طالبعلم استاذ سے جو علم حاصل کرتا ہے یہ فیض حاصل کرتا ہے جاہل عالم سے فیض لیتا ہے لیکن جس طرح طالب علم استاذ کو نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھتا جاہل عالم کو نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھتا ایسے ہی قبروں سے فیض حاصل کرنے والا بھی اہل قبور کو نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھتا کوئی سمجھتا ہے تو وہ گمراہ اور غلط عقیدہ رکھتا ہے۔

بعض مفاسد اور خرابیاں

منور صاحب فیض کی بحث میں بعض مفاسد اور خرابیاں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہیں سے قبر پرستی کی ابتداء ہوئی ہے لوگ قبر والوں سے حصول فیض کی تمنا میں مجاور بن کر بیٹھے جاتے ہیں اولاد، وسعت رزق، ذریعہ معاش

اللہ سے مانگنے کے بجائے بے جان مردوں سے مانگ کر اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۴۴)

جواب یہ ہے کہ جو مجاور بنے بیٹھے ہیں انہیں فیض کا علم تک نہیں نہ حصول فیض کی تمنا میں جا بیٹھتے ہیں دنیا اور دولت کے پجاری وہاں لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لئے مجاور بن بیٹھتے ہیں اور جتنے لوگ بھی اولاد وغیرہ مانگتے ہیں وہ بھی فیض سے جاہل اور اس کی الف با سے ناواقف ہیں۔ درحقیقت انہوں نے اپنی جہالت اور علماء سوء کی تعلیمات سے ان کو مختار کل، حاجت روا، مشکل کشا اور اولاد کے خزانوں کا مالک، نفع ونقصان کا اختیار رکھنے والا سمجھ رکھا ہے انہی عقائد کی وجہ سے وہ قبروں پر جا کر ایسا کرتے ہیں ورنہ فیض تو زندہ ولیوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ عوام زندوں کے ہاں اتنا ہجوم کیوں نہیں کرتے جتنا قبروں پر ہوتا ہے پھر وہ اولیاء کرام بھی ہیں جنہوں نے زندگی میں توحید کی تبلیغ کی ان کی قبروں پر کیوں ایسا نہیں ہوتا؟ تو اس کی وجہ صرف علماء سوء کی تعلیمات ہیں اگر فیض کے عقیدہ کی خرابی ہوتی تو علماء دیوبند کی قبروں پر بھی دیوبندی عوام جمع ہوتے۔ بہرحال ہمارے اکابر نے کبھی عوام کو فیض کا مسئلہ نہیں سمجھایا اہل علم ہی کی حد تک محدود ہے اور ہمارے نزدیک اہل قبور سے حاجت روائی ومشکل کشائی اور اولاد مانگنا شرک ہے۔

جو قبروں میں دفن نہیں ہوئے ان کی جزا وسزا

اس بحث میں منور صاحب لکھتے ہیں یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر مردہ قبر میں جا کر زندہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ لاکھوں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ دنیاوی قبر ملتی بھی نہیں ہندو اپنے مردے جلا دیتے ہیں مجوسی گوشت خور پرندوں کی نذر کر دیتے ہیں ہزاروں لوگ آگ میں جل کر خاک ہو جاتے ہیں جنگوں اور دیگر ہولناک حادثات میں ہلاک ہو جانے والوں کی بوٹی بھی نہیں ملتی وغیرہ وغیرہ فرعون کی لاش مصر کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے اور قرآن میں ہے کہ: ''النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا'' انہیں صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور قوم نوح کا یہ انجام ہوا کہ: ''مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا نارا'' اپنے گناہوں کے سبب غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے ہیں اور اللہ فرما رہے ہیں کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے تو پھر وہ کونسی آگ ہے جو پانی میں جلتی ہے۔ الخ!

(اسلام یا مسلک پرستی ص ۴۹)

جواب: منور صاحب اور مماتی لوگ یہ تقریر اس طرح کرتے ہیں جیسے قبر کا عذاب انہی کے سپرد ہو یا انسانوں نے دینا ہو اور سوچتے ہیں کہ جب جسم راکھ ہو گیا یا پرندوں یا درندوں کے پیٹ میں چلا گیا یا ٹکڑے ہو کر فضا میں گھر گیا تو کیسے جس کو عذاب ہونا مانیں گے، لہٰذا فیصلہ کرلیا کہ یہی کہیں کہ عذاب صرف اور صرف روح کو ہی ہوتا ہے جسم کو ہوتا ہی نہیں۔ آخر کیوں ایسا سوچنے کی ضرورت ہوئی؟ عذاب اللہ تعالیٰ نے ہی دینا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی نورانی مخلوق فرشتے ایسی لطیف مخلوق بنائی ہے جس کے لئے کوئی رکاوٹ رکاوٹ ہی نہیں پھر خود اللہ تعالیٰ کی ذات کی قدرت کے آگے کونسی رکاوٹیں ہیں جن کی وجہ سے وہ جسم کے ذرے ذرے تک عذاب نہیں پہنچا سکے گا؟

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین القمی النیسابوری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ''عن الضحاک کانوا یغرقون من جانب ویحرقون من جانب وھکذا حال من مات من المجرمین فی ماء او نار او فی جوف سبع اصابہ مایصیب المقبور من العذاب العقلی وھو ظاھر والعذاب الجسمی وھو غیر بعید فی قدرۃ اللہ تعالیٰ''

(تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ ابن جریر ج ۲۹ ص ۵۳ طبع مطبعہ میمنیہ مصر)

یعنی امام ضحاک فرماتے ہیں قوم نوح علیہ السلام ایک طرف سے غرق ہو رہے تھے اور دوسری طرف سے جلائے جا رہے تھے۔ یہی حال ہر اس مجرم کا ہے جو پانی میں یا آگ میں یا درندہ کے پیٹ میں مر جائے اس کو بھی اس طرح عذاب ہوگا جیسے قبر میں دفن کئے ہوئے کو ہوتا ہے۔ عذاب عقلی روحانی ہوتا تو ظاہر ہے اور عذاب جسمانی بھی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزائہ کما یشاھد فی العادۃ او اکلتہ السباع او الطیور وحیتان البحر کما ان اللہ تعالیٰ یعیدہ للحشر وھو سبحانہ وتعالیٰ قادر علی ذالک فلا یستبعد تعلق روح الشخص الواحد فی آن واحد بکل واحد من اجزائہ المتفرقۃ فی المشارق والمغارب الخ! (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۷ طبع ہند)

اور عذاب قبر سے یہ بات رکاوٹ نہیں کہ میت کے اجزاء جدا جدا ہو گئے ہوں جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے یا اس کو درندے اور پرندے اور دریا کی مچھلیاں کھا گئی ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ اس کو روز محشر میں اٹھائے گا اور وہ قادر ہے ایسے ہی یہ بعید نہ سمجھا جائے کہ ایک آدمی کی روح کا ایک ہی وقت میں مشرقوں اور مغربوں میں منتشر اجزاء میں سے ہر ایک جز سے تعلق ہو۔

علامہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قبر او لم یقبر فلو اکلتہ السباع او احرق حتی صار رمادا او نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی المقبور (الروح ص ۸۱ طبع بیروت) جو آدمی بھی مرا اور وہ عذاب کا مستحق ہو، اس کو اپنا عذاب کا حصہ پہنچے گا چاہے قبر میں دفن ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا اگر درندے کھا گئے ہوں یا جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو یا راکھ کر کے ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر چڑھا دیا گیا ہو یا دریا میں ڈوب گیا ہو۔ اس کے روح اور جسم تک وہ عذاب پہنچے گا جو قبر میں دفن کئے ہوئے آدمی تک پہنچتا ہے۔

علامہ محمد بن عبد السعید بن شعیب ابو الشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فاذا کان الروح متصلا بالشخص سواء کان عظما او لحما أو ترابا یتألم (التمہید ص ۱۳۶ طبع مطبع فاروقی دہلی) جب روح کا جسم سے تعلق ہوگا تو بدن چاہے ہڈی ہو جائے یا گوشت یا مٹی وہ تکلیف محسوس کرے گا۔

منور صاحب فرماتے ہیں: قوم نوح علیہ السلام اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیے گئے لاشیں ان کی تو پانی میں ڈوبی ہیں اور اللہ فرما رہا ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیے گئے تو پھر وہ کوئی کہے جو پانی میں جلتی ہے؟

جناب! یہاں کونسا لفظ ہے جس کا ترجمہ نام کی آگ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مطلق آگ فرمایا ہے پھر جناب پوچھتے ہیں کون سی آگ ہے جو پانی میں جلتی ہے؟ جناب والا! یہ آگ کسی انسان نے نہیں جلائی جو پانی سے بجھ جائے یہ اس ذات نے جلائی ہے جو آگ اور پانی کا خالق و مالک ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ھي نار البرزخ والمراد عذاب القبر ومن مات فی ماء او نار او اکلتہ السباع او الطیر مثلا اصابہ ما یصیب المقبور من العذاب (روح المعانی ص ۹۰ ج ۲۹) یہ برزخ کی آگ ہے مراد عذاب قبر ہے اور جو بھی پانی میں یا آگ میں مر جائے یا اس کو درندے یا پرندے کھا جائیں اس کو بھی وہ عذاب پہنچے

گا جو قبر میں مدفون آدمی کو پہنچتا ہے۔ پھر ایک شعر ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کر کے سمجھاتے ہیں کہ یہ آگ پانی میں تھی۔

لاتعجبن لاضداد اذا اجتمعت فالله يجمع بين الماء والنار

جب کئی ضدیں اکٹھی ہو جائیں تو حیران نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی پانی اور آگ کو جمع کرتا ہے۔ اب منور صاحب سوچیں اللہ تعالیٰ کی آگ پانی میں جل سکتی ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ عالم برزخ اور قبر میں اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور بالتبع جسم کو ہوتا ہے جیسے دنیا میں اصل عذاب جسم کو اور روح کو ہوتا ہے تو ہم اگر چہ ذرات ہو کر بکھر جائے لیکن بکھرے ہوئے ذرات کی شکل میں اس کے اجزاء تو موجود ہوں گے تو روح کے عذاب کا احساس ان اجزاء تک ضرور پہنچے گا جسے عالم خواب میں آدمی ڈراؤنا خواب دیکھے تو پہلے روح پر اثر ہوتا ہے پھر جسم میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور خوش کن خواب دیکھے تو پہلے روح پر خوشی کا اثر ہوتا ہے پھر جسم پر بھی ظاہر ہوتا ہے عالم خواب اور عالم برزخ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

کیا قبر کی زمین سب جسموں کو کھا جاتی ہے؟

منور صاحب کہتے ہیں۔ موت کے کئی کئی دن بعد قبر کھود کر لاش باہر نکالی جاتی ہے لیکن لاش ہمیشہ بے جان ہیں نکلتی ہے سنتا ہوا تا جیتا جاگتا زندہ جسم کبھی برآمد نہیں ہوتا گلا سڑا بدن ہی نکلتا ہے جس کا تعفن سارے قبرستان میں پھیل جاتا ہے کیونکہ ہمیشہ رہنے والے ہم اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیئے۔ قانون یہی ہے کہ انسان کے جسم میں کوئی چیز نہیں جو برباد نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی ''عجب الذنب'' کے اور اسی سے روز قیامت جسم انسان دوبارہ بنایا جائے گا۔ الخ! (اسلام ص ۵۰) یعنی منور صاحب کہتے ہیں کہ میں احادیث نبویہ کے بجائے مشاہدہ چاہتا ہوں کہ دکھائی دے کہ سنتا، جاگتا، بولتا زندہ جسم برآمد ہو (اس قسم کے واقعات آگے ذکر ہونے والے ہیں ان شاء اللہ) لیکن ظاہر ہے کہ پھر ایمان بالغیب تو نہ ہوگا منور صاحب مانتے ہیں کہ ان کی کھوپڑی میں مغز کے اندر عقل ہے مگر اس کا مشاہدہ وکھوپڑی توڑ کر بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دکھائی دینے والے مغز کا نام عقل نہیں ہے اس لئے کہ مغز تو پاگلوں کا بھی ہوتا ہے مغز کے اندر مشاہدہ نہ کی جانے والی قوت عقلیہ اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے تو اب اس کا جب تک مشاہدہ نہ کیا جائے۔ کیا تب تک انسان کو بے عقل ماننا چاہئے؟

انسانی جسم میں روح ہے مگر روح دکھائی نہیں دیتی صرف اس کے آثار دکھائی دیتے ہیں تو کیا مشاہدہ کئے بغیر انسان کو چلتا پھرتا مردہ اور بے روح سمجھیں؟ تو یہاں مشاہدہ کی ضرورت نہیں تو قبر کے حالات میں احادیث نبویہ کے مقابلہ میں مشاہدہ کیوں ضروری ہے؟

انبیاء کرام وغیرہم علیہم السلام کے اجسام محفوظ ہوتے ہیں

جناب کہتے ہیں: قانون تو یہی ہے کہ ہر انسان کا جسم عجب الذنب ہڈی کے سوا گل سڑ جاتا ہے منور صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کا صحیح سلامت رہنا نہیں مانتے اور ان کو بھی حدیث نبوی کل ابن آدم یا کلہ التراب کے تحت داخل کہتے ہیں حالانکہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بھی صحیح ہے مگر اس کو پیچ نہیں مانتے کیونکہ اس حدیث کے جملہ فنبی اللہ حیّ یرزق کو بھی ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مذکور حدیث سے انبیاء کرام اور ان کے خاص متبعین مستثنیٰ ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "انت تعلم ان الاخبر صحت ببقاء عجب الذنب من الانسان لیست کبدائه و کذا روی ان اللہ تعالیٰ عزوجل حرم ولی الارض اجساد الانبیاء وهو حدیث حسن عند البن العربی وقال غیره صحیح وجاؤا نحو ذالک فی الموذنین احتسابا وحدیثهم فی الطبرانی وفی حملة القرآن وحدیث ابن مندة وفی من لم یعمل خطیئته قط وحدیثهم عن المروزی فلاتغفل"

(روح المعانی ج ۱۷ ص ۱۰۲)

آپ کو معلوم ہے کہ انسان کی عجب الذنب باقی رہنے کی صحیح روایات ہیں اس لئے دوبارہ پیدا ہونا پہلی بار پیدا ہونے کی طرح نہیں ہوگا اسی طرح مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے جس کی حدیث کو امام ابن عربی حسن اور دوسرے محدثین صحیح قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح طبرانی کی روایت ہے کہ ان کے جسم بھی محفوظ ہوتے ہیں جو ثواب کے لئے اذان دیتے ہیں اور امام ابن مندہ کی روایت میں ہے کہ حاملین قرآن مجید (حفاظ و قراء و قرآن مجید کی خدمت کرنے والے) کے جسم بھی محفوظ ہوتے ہیں اور امام مروزی کی روایت میں ہے کہ اس کا جسم بھی محفوظ ہوگا جس نے کوئی بھی گناہ کبھی نہ کیا ہو الہٰذا غافل نہ ہوں (کہ ان سب کے جسم محفوظ ہوتے ہیں)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فان الصواب ان الانبیاء علیہم السلام لاتغیرهم الارض۔ درست یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں زمین تبدیلی نہیں کرتی۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۹۵)

علامہ عبدالرحمن بن جوزی نے اس پر مستقل عنوان قائم فرمایا ہے: الباب السادس والاربعون فی انه لایبلی صلی اللہ علیہ وسلم۔ چھیالیسواں باب: اس بیان میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوسیدہ نہ ہونگے۔ (الوفاء ص ۸۰۹)

امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان الانبیاء لایبلون، ولاتاکل الارض منهم شیئاً۔ انبیاء علیہم السلام بوسیدہ نہیں ہوتے اور زمین ان کا کچھ حصہ بھی نہیں کھاتی۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۶، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۹)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کیا ہے۔ (الاعتقاد ص ۱۸۸، طبع مصر)

علامہ محمد بن عبدالرحمن سخاوی فرماتے ہیں: نحن نؤمن ونصدق بانه صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبره وان جسده الشریف لاتاکله الارض والاجماع علی هذا۔ ہمارا ایمان ہے اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں قبر شریف میں آپ کو رزق ملتا ہے اور یہ کہ آپ کے جسم اطہر کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۲ طبع بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں: ای والحال انه الیوم کماوضع لان الارض لاتأکل اجساد الانبیاء علیہم السلام۔ (عینی شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۶)

یعنی حال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح رکھے گئے اس لئے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔

امام محمد بن احمد الذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وانما معنا نص علی انه لایبلی وان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام بل ویقع هذا البعض الشهداء رضی اللہ عنہم۔ ہمارے پاس اس پر نص موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوسیدہ نہ ہوں گے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے بلکہ یہ حفاظت بعض شہداء کے لئے بھی ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال، بیروت ج ۲ ص ۶۵۰)

علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ منور صاحب کی پیش کردہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں: وخص منہ الانبیاء علیہم السلام فانہ حرمت اجسادھم علی الارض۔ اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے جسم زمین پر حرام ہیں۔
(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۴۹)

امام ابوالحسن سندھی مذکورحدیث کے تحت فرماتے ہیں: والقضیۃ جزئیۃ بالنظر الی افراد ابن آدم ضرورۃ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ (یعنی کل ابن آدم کا معنی ہے انسان کے سب اعضاء سوائے عجب الذنب کے) کیونکہ انسان کے افراد کے لحاظ سے یہ قضیہ جزئیہ ہے (کلیہ نہیں) اس لئے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پرحرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ (حاشیہ علی النسائی ج ۴ ص ۱۱۲ طبع بیروت)

معلوم ہوا کہ منور صاحب کی پیش کردہ حدیث اوّل تو انسان کے اعضاء کے بارے میں ہے افراد کے بارے میں نہیں دوم اگر افراد کے بارے میں ہو تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص متبعین مستثنیٰ ہیں۔

مرنے کے بعد کے بعض خاص واقعات

منور صاحب نے اس بحث کے ضمن میں بزرگوں کے کئی واقعات تحریر کر کے مسخرہ کیا ہے ان واقعات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱...... مرنے کے بعد گفتگو: شیخ نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے جب اس بزرگ کو لوگ دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے تلقین کی وہ میت بزرگ کہنے لگے حیرت کی بات ہے ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔

۲...... مرنے کے بعد اونٹ ذبح کرنا: عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کی قبر کی زیارت کو گئی رات وہاں میرے اسی میں سے ایک شخص کو صاحب قبر خواب میں ملا اور کہا اپنا اونٹ میرے بختی اونٹ کے بدلے میں فروخت کر دے اس نے خواب میں اونٹ فروخت کر دیا قبر والے نے اٹھ کر اونٹ ذبح کیا جب اونٹ والا اٹھا تو اس کے اونٹ کا خون جاری تھا فوراً ذبح کیا اور گوشت تقسیم کیا اور کھایا، پکایا یہ لوگ وہاں سے دوسری منزل پر پہنچے تو اس سخی کا بیٹا بختی اونٹ لے کر وہاں پہنچ گیا اور کہا میرے والد نے فلاں شخص کو یہ اونٹ دینے کا خواب میں حکم دیا ہے۔ (فضائل حج وفضائل صدقات)

۳...... میت بزرگ نے پیش گوئی کی: شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے مراقبہ کیا خواجہ صاحب نے فرمایا تمہاری بیوی حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ (انفاس العارفین)

۴...... صاحب قبر کی گفتگو: ایک صاحب کشف حافظ ضامن شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھنے لگے تو حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کسی مردہ پر فاتحہ پڑھو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ (حکایات اولیاء) نیز شاہ عبدالرحیم کا واقعہ ہے کہ چند احباب کے ساتھ ایک سفر کیا دوران سفر ایک درخت کے نیچے احباب سو گئے شاہ عبدالرحیم جاگتے رہے چند سورتیں تلاوت کیں وہاں قبریں تھیں۔ ایک صاحب قبر بات کرنے لگا اور قرآن سنانے کی درخواست کی شاہ صاحب

تلاوت کرتے رہے ساتھ بھائی سوئے ہوئے تھے ان کو صاحب قبر نے خواب میں کہا کہ ان کو کہو تلاوت کریں۔ انہوں نے بیدار ہو کر تلاوت کا کہا میت بہت خوش ہوا پھر اس سے عالم برزخ کے حالات پوچھے۔ (انفاس العارفین)

شاہ عبدالرحیم کہتے ہیں کہ شیخ محمد کی قبر کے پاس بیٹھوں تو مجھ سے علوم و معارف سنتے ہیں اور ان کی روح نماز میں میری اقتداء کرتی ہے۔ (انفاس العارفین)

منور صاحب کے نزدیک اس قسم کے واقعات ناممکن ہیں ظاہر ہے کہ جب ایک آدمی عقل سے کام لے گا اور نقل پر اعتماد نہیں کرے گا یا عقل کو ہی سب کچھ سمجھے گا اور نقل کو بھی عقل کے تابع کرے گا تو اس قسم کے واقعات ماننا مشکل ہی ہے اور اگر طے کرلے کہ نقل صحیح کے مقابلہ میں اگر میری عقل تسلیم نہ کرے تو نقل کے پیچھے چلوں گا تو اس قسم کے واقعات تسلیم کرنا آسان ہوگا۔

اس قسم کے بہت سے واقعات پر بحث تصوف کے عنوان کے تحت بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! دراصل ایسے واقعات کا تعلق کرامات سے ہے یا مردہ کی کرامت ہوتی ہے یا زندہ کی اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر فعل پر قادر ہے قانون کے مطابق کرے یا قانون کے خلاف کرے ان واقعات کا انکار وہ کرے جو قدرت الٰہی کا انکاری ہو۔ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر اختتام کرتا ہوں۔ حضرت علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والذی ینبغی ان یعول علیه مع ما ذکر ان الارواح وان اختلف مستقرها بمعنی محلها الذی اعطیته بفضل الله تعالی جزاء عملها لکن لها جولانا فی ملک الله تعالی حیث شاء جل جلاله ولایکون الابعدالاذن وهی متفاوته فی ذالک حسب تفاوتها فی القرب والزلفی من الله تعالی حتیٰ ان بعض الارواح الطاهرة لتظهر فیراها من شاء الله تعالیٰ من الاحیاء یقظة وان ارواح الموتی تلاقی وتتزاور وتتذاکر وقدتتلاقی ارواح الاموات والاحیاء مناما ولاینکر ذالک الامن یجعل الرویا خیالات لااصل لها وذالک لایلتفت الیه۔۔ وربمایؤذن لارواح بعض الناس فی زیارة اهلیهم کما ورد فی بعض الآثار۔۔ ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لایختص بجزء دون جزء بل هی متصلة مشرقة علی سائر اجزائه وان تفرقت وکان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب　　(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

قابل اعتماد بات یہ ہے کہ روحوں کے ٹھکانے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعمال کے بدلے میں ملتے ہیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن جہاں اللہ تعالیٰ چاہے اللہ کی اجازت سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں ان کو چکر لگانے کی اجازت ہے اور جتنا اللہ تعالیٰ سے قرب اور مرتبہ ان کا مختلف ہوتا ہے اتنا ہی چکر لگانا بھی مختلف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض پاک روحیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے زندہ آدمی دیکھ لیتے ہیں اور مردوں کی روحیں باہم ملاقات کرتی اور زیارت کرتی اور تبادلہ خیالات کرتی ہیں اور کبھی مردوں اور زندوں کی روحوں کی خواب میں ملاقات ہوتی ہے اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو خواب کو محض بے بنیاد خیالات سمجھے اور انکاری کا یہ خیال قابل توجہ ہی نہیں اور بعض اوقات بعض لوگوں کی روحوں کو اجازت ہوتی ہے کہ اپنے گھر والوں کو مل آئیں جیسا کہ روایات وارد ہوئی ہیں پھر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ (مرنے کے بعد) روح کا جسم سے تعلق ایسا نہیں کہ ایک جزء سے ہو دوسری سے نہ ہو بلکہ پورے جسم کے سب اجزاء سے تعلق ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح جدا ہو چکے ہوں کہ ایک جزء مغرب میں ہو اور ایک جزء مشرق میں ہو۔